مفتی عبد الرحمن قادری
(ملاوی وسطی افریقہ)
سے خصوصی ملاقات

"جنس" فقہاء
کی نظر میں

کرناٹک کا "حجابی معاملہ"
اور "بعض" مسلمانوں کا
دوہرا" رویّہ

عورت کو
طلاق
دینے کا
حق
کیوں نہیں؟

علمی فکری اور عصری موضوعات پر مشتمل مجلّہ

مخزنِ علم

مارچ، اپریل 2022ء، شعبان، رمضان 1443ھ جلد نمبر 03، شمارہ نمبر 03

بفیضانِ نظر
حضرت علامہ قاری
محمد مصلح الدین صدیقی
علیہ الرحمہ

بفیضانِ کرم
حضرت علامہ مولانا
سید شاہ تراب الحق قادری
علیہ الرحمہ

نوٹ: تمام مشمولات کی صحت و درستی پر ادارے کی نظر رہتی ہے پھر بھی اگر کوئی غلطی رہ جائے تو آگاہ فرما کر اجر کے مستحق بنیں، ان شاء اللہ آئندہ شمارے میں تصحیح کر دی جائے گی۔

قیمت فی مجلہ -/80 روپے
سالانہ ممبر شپ بمعہ ڈاک -/1100 روپے
رابطہ: 0331-2802001

جاری کردہ: **مدرسہ انوار القرآن قادریہ رضویہ**
جامع مسجد عثمان غنی، ٹھٹھائی کمپاؤنڈ، لائٹ ہاؤس کراچی

فون: 0332-8205566، ای میل: m.anwarulquran@gmail.com
فیس بک: facebook.com/MadarsaAnwarulQuraan ویب سائٹ: makhzaneilm.com

مشمولات

نوٹ: ادارے کا مقالہ نگاروں کے موقف سے اتفاق ضروری نہیں۔

اداریہ

میرے نبی ﷺ کا چلا خاندان بیٹی سے

مدیر اعلی کے قلم سے

وطن عزیز پاکستان میں آئے دن یہ باتیں خبروں کی زینت بنی ہوتی ہیں،، یا،، مختلف ذرائع سے سننے میں آتی ہیں کہ فلاں شخص کے یہاں بیٹی پیدا ہوئی اس نے اسے قتل کر دیا،، یا،، اس نے بیوی کے خون سے اپنے ہاتھ رنگے،، یا،، بیوی اور بیٹی دونوں کو مار دیا،، اگر کسی کا خون نہ کرے تو بیٹی کی ولادت پر بیوی کی شامت آجاتی ہے،، بیوی اس وقت تک مار کھاتی ہے،، یا،، شوہر کے طعنوں کا نشانہ بنی رہتی ہے جب تک وہ بیٹے کو نہ جنے،، یا،، شوہر کا نفرت آمیز لہجہ بیوی کی زندگی اجیرن کر دیتا ہے،، اگر ولادت سے قبل معلوم ہوجائے کہ حاملہ کے بطن میں بیٹی ہے تو شریر طبیعتیں سقوط حمل کی راہ لیتی ہیں،، یہ سب مسلمانوں کے ملک،، مسلمانوں کے گھروں،، مسلم آبادیوں میں ہو رہا ہے۔

بعثت نبوی ﷺ سے قبل عرب میں بیٹی کو بوجھ سمجھا جاتا،، اپنی بدنامی کا سبب قرار دیا جاتا،، بیٹی کی ولادت پر قیامت کا سماں ہوتا،، گھر میں صف ماتم بچھ جاتی،، جب وہ بچی چند سال کی ہوجاتی تو باپ اسے مزین و آراستہ کر کے،، اچھے کپڑے پہنا کر،، بیاباں میں لے جاتا،، اپنے ہاتھوں سے گہرا گڑھا کھودتا،، پھر اس میں اس ننی کلی کو دھکا دے دیتا،، وہ چیختی چلاتی،، "بابا" "بابا" کہہ کر پکارتی،، لیکن بدبخت باپ اپنی بیٹی پر مٹی ڈال کر اسے زمین کے حوالہ کر دیتا،، عرب میں اس رسم کو "وأد البنات" کہا جاتا تھا،، یہ قبیح رسم عرب کے تمام ہی قبائل میں رائج تھی لیکن بنو تمیم میں اس کا رواج بہت زیادہ تھا۔

نبی کریم ﷺ کی بعثت کے بعد جہاں اہل عرب کی دیگر برائیوں کی شدید مذمت کی گئی وہیں "وأد البنات" کی رسم کا بھی شدمد سے رد کیا گیا اور مسلمانوں کو اس فعل قبیح سے بچنے کی سخت تاکید کی گئی، ارشاد باری تعالی ہے:

وَ یَجۡعَلُوۡنَ لِلّٰہِ الۡبَنٰتِ سُبۡحٰنَہٗ ۙ وَ لَہُمۡ مَّا یَشۡتَہُوۡنَ ۝ وَ اِذَا بُشِّرَ اَحَدُہُمۡ بِالۡاُنۡثٰی ظَلَّ وَجۡہُہٗ مُسۡوَدًّا وَّ ہُوَ کَظِیۡمٌ ۝ یَتَوَارٰی مِنَ الۡقَوۡمِ مِنۡ سُوۡٓءِ مَا بُشِّرَ بِہٖ ؕ اَیُمۡسِکُہٗ عَلٰی ہُوۡنٍ اَمۡ یَدُسُّہٗ فِی التُّرَابِ ؕ اَلَا سَآءَ مَا یَحۡکُمُوۡنَ ۝

ترجمہ: اور وہ اللہ کے لیے (فرشتوں کو) بیٹیاں قرار دیتے ہیں حالانکہ وہ پاک ہے اور اپنے لیے وہ (مانتے ہیں) جو اپنا جی چاہتا ہے۔ اور جب ان میں کسی کو بیٹی ہونے کی خوشخبری دی جاتی ہے تو دن بھر اس کا منہ کالا رہتا ہے اور وہ غصے سے بھرا ہوتا ہے۔ اس بشارت کی برائی کے سبب لوگوں سے چھپا پھرتا ہے۔ کیا اسے ذلت کے ساتھ رکھے گا یا اسے مٹی میں دبا دے گا؟ خبردار! یہ کتنا برا فیصلہ کر رہے ہیں۔ (کہ اللہ تعالیٰ کے لئے بیٹیاں ثابت کرتے ہیں جو اپنے لئے انہیں اس قدر ناگوار ہیں۔) (النحل: ۵۷-۵۹)

قیامت کی ہولناکیوں کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے:

وَ اِذَا الۡمَوۡءٗدَۃُ سُئِلَتۡ ۝ بِاَیِّ ذَنۡۢبٍ قُتِلَتۡ ۝

اور جب زندہ دفن کی گئی لڑکی سے پوچھا جائے گا۔ کس خطا کی وجہ سے اسے قتل کیا گیا؟ (التکویر: ۸-۹)

یعنی قیامت میں اس قاتل باپ کی سرزنش کے لیے اس بیٹی سے سوال کیا جائے گا کہ بتا تجھے کیوں قتل کیا گیا؟ تیرا کیا گناہ تھا؟ وہ جواب میں کہے گی میں بے گناہ ماری گئی، میرا کوئی قصور نہ تھا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«مَنْ وُلِدَتْ لَهُ أُنْثَى فَلَمْ يَئِدْهَا وَلَمْ يُهِنْهَا وَلَمْ يُؤْثِرْ وَلَدَهُ يَعْنِي الذَّكَرَ عَلَيْهَا، أَدْخَلَهُ اللَّهُ بِهَا الْجَنَّةَ»

جس کے ہاں بیٹی پیدا ہوا اور وہ نہ تو اسے زندہ دفن کرے نہ حقیر سمجھے اور نہ ہی اس پر بیٹے کو فضیلت دے تو اللہ تعالی اسے جنّت میں داخل فرمائے گا۔(المستدرک، حدیث:۷۳۴۸)

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ عفیفہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

جَاءَتْنِي امْرَأَةٌ، وَمَعَهَا ابْنَتَانِ لَهَا، فَسَأَلَتْنِي فَلَمْ تَجِدْ عِنْدِي شَيْئًا غَيْرَ تَمْرَةٍ وَاحِدَةٍ، فَأَعْطَيْتُهَا إِيَّاهَا، فَأَخَذَتْهَا فَقَسَمَتْهَا بَيْنَ ابْنَتَيْهَا، وَلَمْ تَأْكُلْ مِنْهَا شَيْئًا، ثُمَّ قَامَتْ فَخَرَجَتْ وَابْنَتَاهَا، فَدَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَدَّثْتُهُ حَدِيثَهَا، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَنِ ابْتُلِيَ مِنَ الْبَنَاتِ بِشَيْءٍ، فَأَحْسَنَ إِلَيْهِنَّ كُنَّ لَهُ سِتْرًا مِنَ النَّارِ»

میرے پاس ایک مسکین عورت اپنی دو بیٹیوں کے ساتھ آئی، میں نے اس کو تین کھجوریں دیں، اس نے ایک ایک کھجور دونوں بچیوں کو دی اور ایک کھجور کھانے کے لیے اپنے منہ کی طرف لے جا رہی تھی کہ اس کی بیٹیوں نے اس سے وہ کھجور بھی مانگ لی، اس نے وہ کھجور بھی توڑ کر دونوں بیٹیوں کو کھلا دی، مجھے اس پر تعجب ہوا پھر میں نے رسولِ اکرم، نورِ مجسّم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کا تذکرہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالی نے اس (کے اس فعل) کے سبب اس عورت کے لیے جنّت واجب کر دی (صحیح مسلم، حدیث:۲۶۳۰)

جس باپ کو بیٹی کی پیدائش پر تکلیف ہو اور بیوی سے جھگڑا کرے اسے چاہیے کہ اللہ تعالی کے اس ارشاد کو بار بار پڑھے کہ:

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ۞ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا ۚ وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ۞

ترجمہ: آسمانوں اور زمین کی سلطنت اللہ ہی کے لیے ہے۔ وہ جو چاہے پیدا کرے۔ جسے چاہے بیٹیاں عطا فرمائے اور جسے چاہے بیٹے دے۔ یا انہیں بیٹے اور بیٹیاں دونوں ملا دے اور جسے چاہے بانجھ کر دے، بیشک وہ علم والا، قدرت والا ہے۔(الشوری:۴۹-۵۰)

بیٹا دینا، بیٹی دینا، سب اللہ کے اختیار میں ہے، جس بیٹی کی پیدائش پر افسردگی ہو اسے بیٹی کی قدر کرنی چاہیے کہ اللہ تعالی نے اسے اپنی رحمت سے نوازا، اگر وہ چاہتا تو بے اولاد رکھتا، زندگی اولاد کی تمنا میں تڑپتے گزر جاتی، نیز یہ بھی سوچنا چاہیے کہ ہم مسلمانوں میں بیٹی کی عزت اور عظمت کس قدر ہے کہ حضور سرور کائنات فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان آپ کی بیٹی سیدہ خاتون جنت رضی اللہ عنہا سے چلا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پرورش میں بیٹیاں رہی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام بیٹوں کو بچپن ہی میں بارگاہ ایزدی سے وصال کا مژدہ ملا، جس آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا گھر بیٹیوں سے جگمگائے ان کا امتی بیٹی سے نفرت کرے،، یہ کیسے ہو سکتا ہے؟

محترم قارئین کرام! یہ بات بھی اظہر من الشمس ہے کہ عورت کو جینے کا حق، معاشرے میں رہنے کا حق، عورت کی عزت و ناموس کی حفاظت، وراثت میں عورت کا حق وغیرہ سب کچھ اسلام نے دیا ہے، بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل عرب میں اور آج مغرب میں عورت کی حیثیت معاشی Product سے زیادہ نہیں جبکہ اسلام میں عورت کو ماں کی صورت میں تربیت گاہ، بیٹی اور بہن کی صورت میں نجات اخروی کا سبب اور بیوی کی صورت میں گھر کا محافظ اور نگہبان تصور کیا جاتا ہے، نیز عورت ماں، بہن، بیوی، بیٹی کسی صورت میں ہو مرد پر ان کے حقوق کو پورا کرنے کی ذمہ داری سونپتا ہے اور مرد کو عورت کی عزت اور ناموس کا پہرے دار بناتا ہے۔ لہذا کسی مسلم کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ ماں، بیٹی، بہن، بیوی کے ساتھ ایسا برتاؤ کرے جس سے اسلام کے حسین چہرے پر کوئی داغ لگے اور اسلام دشمنوں کو مسلمانوں پر طعنہ زنی کا موقع ملے۔ اللہ تعالی ہمیں بیٹی کی قدر دان بنائے۔ آمین

منصوصات

اسلامی معاشرت کے آداب سورۂ حجرات کی روشنی میں (دوسری قسط)

شاہزیب راجپر

پہلی قسط میں خاتم النبیین صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَ سَلَّم کی مجلس و بارگاہ کے آداب سورہ حجرات کی روشنی میں بیان کئے گئے تھے، اس قسط میں حسن معاشرت کے حوالے سے اسلامی تعلیمات بیان کی جائیں گی۔

حسن معاشرت کے کلیدی اور کامیاب اصول:

سورہ حجرات کو سورہ آداب بھی کہتے ہیں کہ اس میں بہترین معاشرہ بنانے یا بگڑے ہوئے معاشرے کو سدھارنے کے کلیدی آداب بیان کئے گئے ہیں، جیساکہ تحقیق کے بغیر خبروں پر عمل نہ کریں، ایک دوسرے سے نہ لڑیں، دوسرے مسلمان کے متعلق مثبت سوچ رکھیں، کسی کی غیبت نہ کریں، نام نہ بگاڑیں، مذاق نہ اُڑائیں اور پیار و محبت سے بھائی بھائی بن کر رہیں۔

خبروں کے متعلق اسلامی پالیسی:

اس سورت کی آیت نمبر چھ میں خبروں کے متعلق اسلامی پالیسی بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْۤا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ(۶)

اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو تحقیق کرلو کہ کہیں کسی قوم کو انجانے میں تکلیف نہ دے بیٹھو پھر اپنے کئے پر شرمندہ ہونا پڑے۔

یعنی مؤمنین کو حکم ہے کہ جب کوئی فاسق ان کے پاس خبر لائے تو جلد بازی نہ کریں، صبر کریں اور اس بات کی جانچ پڑتال کریں، یہ نہ ہو کہ جو سنو اس پر یقین کرلو پھر لڑ پڑو یا ناراض ہو کر بیٹھ جاؤ یا کسی کو نقصان پہنچا بیٹھو اور پھر حقیقت کھلے تو ندامت و شرمندگی اٹھاؤ۔ معلوم ہوا کہ خبر قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے سے پہلے دیکھ لینا چاہئے کہ اس خبر کا بتانے والا کون ہے، اگر فاسق شخص وہ بات بتا رہا ہے تو اس کی خبر آنکھیں بند کر کے قبول نہیں کرنی چاہئے بلکہ تحقیق کرنی چاہئے، کیونکہ جو فِسق سے خود کو نہیں بچا رہا وہ جھوٹ سے بھی نہیں بچا سکے گا، ہاں! اگر کوئی صالح و نیک شخص کوئی خبر بتا رہا ہو تو پھر اس پر اعتبار کرنا چاہئے اور اس کی خبر قبول کرنی چاہئے۔ یاد رہے کہ **دین اسلام دین اعتدال ہے**، دیگر احکام کی طرح خبروں کے متعلق بھی اس کی پالیسی قانون اعتدال پر قائم ہے، اس لیے ہر خبر کو مشکوک نہیں قرار دیا گیا کہ اس طرح پھر اجتماعی طور پر معاشرہ چل نہیں سکے گا بلکہ درمیانی اور اعتدال کا قاعدہ تعلیم دیا گیا کہ صالح و نیک شخص کی خبر قبول کرو، فاسق کی خبر کے بارے میں جانچ پڑتال کرو، سچ نکلے تو قبول کرو ورنہ چھوڑ دو اور اس پر عمل نہ کرو۔

آج کی ماڈرن سوسائٹی میں نیوز اور خبروں کے باقاعدہ شعبے قائم ہو چکے ہیں جو مختلف ذرائع سے لوگوں تک خبریں پہنچانے کا کام کر رہے ہیں، ان کا بنیادی مقصد لوگوں تک درست معلومات فراہم کرنا، اور انہیں حالات سے آگاہ رکھنا ہے۔ اسلامی معاشرے کے تحت چلنے والے نیوز چینلز اور نیوز پیپرز کے لیے بنیادی اصول تو قرآن مجید کی مذکورہ آیت میں ذکر کیا گیا مزید کچھ اصول یہ ہیں:

ا۔ سچ بات بتائی جائے اور جھوٹ سے بچا جائے کہ سچ کی منزل جنت ہے اور جھوٹ کی منزل جہنم، حدیث مبارکہ میں فرمایا گیا: سچائی کو (اپنے اوپر) لازم کرلو، کیونکہ سچائی نیکی کی طرف لے جاتی ہے اور نیکی جنت کا راستہ دکھاتی ہے۔ آدمی برابر سچ بولتا رہتا

ہے اور سچ بولنے کی کوشش کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ پاک کے نزدیک "صدیق" لکھ دیا جاتا ہے اور جھوٹ سے بچو، کیونکہ جھوٹ گناہ کی طرف لے جاتا ہے اور گناہ جہنم کا راستہ دکھاتا ہے اور آدمی برابر جھوٹ بولتا رہتا ہے اور جھوٹ بولنے کی کوشش کرتا ہے یہاں تک کہ اللہ پاک کے نزدیک "کذّاب" لکھ دیا جاتا ہے۔
(صحیح مسلم، ص۱۴۰۵، حدیث:۱۰۵)

۲۔ کسی کی غیبت نہ کی جائے یعنی اس کے پوشیدہ عیب اور گناہ نہ اچھالے جائیں، حدیث مبارکہ میں فرمایا گیا: جس رات مجھے آسمانوں کی سیر کرائی گئی تو میرا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا جن کے پہلوؤں سے گوشت کاٹ کر خود اُن ہی کو کھلایا جا رہا تھا۔ انہیں کہا جاتا، کھاؤ! تم اپنے بھائیوں کا گوشت کھایا کرتے تھے۔ میں نے پوچھا: اے جبریئل یہ کون ہیں؟ عرض کی: یہ لوگوں کی غیبت کیا کرتے تھے۔
(دلائل النبوۃ للبیھقی، ج۲، ص۳۹۳)

۳۔ کسی کی عزت و آبرو پامال نہ کی جائے، کہ ایک مسلمان تو دوسرے مسلمان کی عزت کا محافظ ہوتا ہے، صحابیٔ رسول حضرت جریر رَضِیَ اللہُ عَنْہ فرماتے ہیں: میں نے آخری نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے نماز پڑھنے، زکوۃ دینے اور ہر مسلمان کی خیر خواہی کرنے پر بیعت کی۔
(صحیح بخاری، ج۱، ص۳۵، حدیث:۵۷)

۴۔ مرنے والوں کی بغیر کسی مصلحت و حکمت کے برائی نہ کی جائے، جو مسلمان کسی جرم کی بناء پر اپنے کیفر کردار تک پہنچ گیا تو بغیر کسی صحیح مقصد کے ہرگز اسے برا بھلا نہ کہا جائے، احادیثِ مبارکہ میں اپنے مُردوں کو بُرائی کے ساتھ یاد کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رَضِیَ اللہُ عَنْہ فرماتے ہیں کہ جب ماعز اسلمی رَضِیَ اللہُ عَنْہ کو رَجم کیا گیا تھا، یعنی زنا کی سزا میں اتنے پتھر مارے گئے کہ وفات پا گئے، تو دو شخصوں نے آپس میں بات کرتے ہوئے کہا "کتے کی طرح مارا گیا"، یہ بات سن کر آخری نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم خاموش رہے، کچھ دیر تک چلتے رہے، راستے میں مَرا ہوا گدھا ملا جو پاؤں پھیلائے ہوئے تھا، آپ نے ان دونوں کو بلا کر فرمایا: جاؤ، اس مُردار گدھے کا گوشت کھاؤ۔ انھوں نے عرض کی: یا نبی اللہ! اسے کون کھائے گا؟ ارشاد فرمایا: وہ جو تم نے اپنے بھائی کی آبرو ریزی کی، وہ اس گدھے کے کھانے سے بھی زیادہ سخت ہے۔ قسم ہے اُس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! وہ (یعنی ماعِز اسلمی) اس وقت جنّت کی نَہروں میں غوطے لگا رہا ہے۔ (ابو داؤد، ج۴، ص۱۹۷، حدیث:۴۴۲۸)

۵۔ جرم کے ثابت ہونے سے پہلے کسی کو مجرم قرار نہ دیا جائے، کہ جب تک کسی کا جرم شرعی تناظر میں ثابت نہ ہو اس کو مجرم قرار دینا ہی گناہ ہے۔ ہاں! اگر اس کا مجرِم ہونا قانوناً ثابت ہو چکا ہو، اور جرم بھی ایسا ہو کہ اس کی خبر چلانے سے لوگوں کو فائدہ ہوگا تو دیگر شرائط کے ساتھ مجرم کا نام پہچان کے ساتھ دیا جا سکتا ہے۔

۶۔ بے فائدہ امن عامہ خراب کرنے والی خبریں نہ چلائی جائیں کہ اگرچہ لوگوں کو سنسنی خیز خبروں سے دلچسپی ہوتی ہے مگر اس میں ان کا اپنا کوئی فائدہ نہیں ہوتا بلکہ کئی دفعہ خوف وہراس پھیلتا ہے، جانی و مالی نقصان ہوتا ہے، تنقیدوں اور تہمتوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اور فضول میں وقت ضائع ہوتا ہے۔

۷۔ گناہوں بھرے اشتہارات شامل نہ کیے جائیں، سورہ نور میں فرمایا گیا: وہ لوگ جو چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں برا چرچہ پھیلے ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ (نور:۱۹) مزید یہ کہ اس صورت میں جس کسی نے بھی اشتہار کی آگاہی سے وہ گناہ کیا، ان سب کا گناہ انہیں بھی ملے گا۔

۸۔ مختصر یہ کہ اسلامی معاشرے کے تحت چلنے والے نیوز چینلز اور نیوز پیپرز "صداقت، عدالت، دیانت، نصیحت اور حسن معاشرت" جیسے ستونوں پر قائم ہوں اور دین اسلام کا بھی یہی پیغام ہے، حدیث مبارکہ میں فرمایا گیا: دین خیر خواہی کا نام ہے، پوچھا گیا: کس کی خیر خواہی؟ فرمایا گیا: اللہ و رسول اور اس کی کتاب کی، مسلمانوں کے امام و پیشواؤں کی، اور عام مسلمانوں کی۔
(سنن نسائی، ص۶۸۴، حدیث:۴۲۰۵)

شرعی رہنمائی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین؟

ابو الضیاء مفتی محمد فرحان قادری

نوٹ: آپ اپنے شرعی مسائل مفتی صاحب قبلہ سے پوچھ سکتے ہیں، آپ کے سوالات اور مفتی صاحب قبلہ کے جوابات ہر ماہ اس کالم میں درج کیے جائیں گے۔ رابطے کے لیے:03222823126 (msg & whatsapp)

کیا تراویح پڑھنا لازم ہے؟

سوال: کئی افراد کو دیکھا گیا ہے کہ وہ تراویح نہیں پڑھتے، ان میں سے اکثر کے نہ پڑھنے کی وجہ رمضان میں بازاروں میں کاروباری مصروفیات ہوتی ہیں؛ کیونکہ یہی وقت ہوتا ہے کہ جب وہ دکان پر رہ کر محنت کریں تو نہ صرف اس ماہ کے لئے اچھی آمدنی ہو سکتی ہے بلکہ پورے سال کے کئی ماہ کی ایوریج (Average) نکل سکتی ہے اور آف سیزن میں بھی ملازمین کی تنخواہیں ادا کرنے کے قابل ہوسکتے ہیں۔ تو کیا ایسی صورت میں یا بلا کسی وجہ سے تراویح ترک کی جاسکتی ہے؟ یا یوں بھی ہوتا ہے کہ چھ روزہ، دس روزہ وغیرہ پڑھ کر پھر کاروبار میں مصروف ہوجاتے ہیں کہ ابتدائی ایام بازار میں افطار کے بعد کام نہیں ہوتا، تو کیا چھ یا دس ایام میں تراویح میں ختمِ قرآن کافی ہوگا؟ برائے مہربانی وضاحت فرمادیں۔

الجواب بعون الملك الوهاب

بلاشبہ (۱) تراویح سنّتِ مؤکدہ ہے، (۲) **تراویح کی جماعت سنّتِ مؤکدہ علی الکفایہ ہے اور (۳) تراویح میں ختمِ قرآن بھی سنّتِ مؤکدہ علی الکفایہ ہے۔**

کاروبار یا دیگر کام تراویح کے چھوڑنا کا عذر نہیں تراویح اپنی جگہ پڑھنا ہی ہوگی، ہاں البتہ چونکہ جماعت سنتِ مؤکدہ علی الکفایہ ہے تو یہ ممکن ہے کہ عشاء جماعت سے پڑھ کر کاروباری مصروفیات دیکھ لے پھر فارغ ہو کر بغیر جماعت، اپنے طور پر عشاء کے وقت ہی میں بیس رکعت تراویح پڑھ لیا کرے۔ تراویح چھوڑنا یا ختمِ قرآن کے بعد ادا نہ کرنا جائز نہیں بلکہ پورے رمضان ہر رات بیس رکعت تراویح ادا کرنا سنتِ مؤکدہ ہے۔

سنّتِ مؤکدہ کا حکم یہ ہے اس کا چھوڑنا بُرا ہے اور اس پر اِصرار (یعنی بار بار کرنا/تین بار کرنا) گناہ ہے۔ سنّتِ مؤکدہ کو چھوڑنا حرام سے قریب تر گناہ ہے۔ چنانچہ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی علیہ الرحمہ متوفی ۱۲۵۲ھ فرماتے ہیں: في ''التلويح'': ترك السنة المؤكدة قريب من الحرام يستحق حرمان الشفاعة، لقوله عليه الصلاة والسلام: ''مَنْ تَرَكَ سُنَّتِيْ لَمْ يَنَلْ شَفَاعَتِيْ'' اهـ. وفي ''التحرير'': أن تاركها يستوجب التضليل واللوم اهـ. والمراد: الترك بلا عذر على سبيل الاصرار كما في ''شرح التحرير'' لابن أمير حاج. (رد المحتار علی الدر المختار، کتاب، باب، مطلب: فی السنۃ وتعریفھا) یعنی، ''تلویح'' میں ہے کہ سنّتِ مؤکدہ کو چھوڑنا (یعنی، اس کا گناہ) حرام کے نزدیک تر ہے اور اس (سنّتِ مؤکدہ) کا تارک شفاعتِ مصطفیٰ ﷺ سے محروم ہوگا (والعیاذ باللہ تعالیٰ) جیسا کہ پیارے آقا ﷺ کا فرمان ہے کہ جس نے میری سنت کو چھوڑا وہ میری شفاعت نہ پائے گا۔۔! اور ''تحریر'' میں ہے کہ سنّتِ مؤکدہ کو چھوڑنے والے کو گمراہ قرار دینا اور اس کی ملامت لازم ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ سنّتِ مؤکدہ کو بغیر کسی

عذر کے اِصرار کے ساتھ چھوڑے، جیسا کہ ابنِ امیر حاج کی ''شرح التحریر'' میں مذکور ہے۔

امام اہلسنّت امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ متوفی ۱۳۴۰ھ فرماتے ہیں: ''سنت موکدہ وہ امر دینی ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ہمیشہ کیا مگر نادراً (چھوڑا) یا کبھی ترک نہ فرمایا مگر اتفاق سے کسی نے ترک کیا تو اس پر انکار بھی نہ فرمایا، واللہ تعالیٰ اعلم''۔ (فتاویٰ رضویہ، جلد ۷، کتاب الصلاۃ، باب الجماعہ، الرسالہ: القطوف الدانیہ لمن احسن الجماعۃ الثانیہ، سنّتِ مؤکدہ کی تعریف، مسئلہ ۹۱۵، ص ۲۰۲)

صدر الشریعہ بدر الطریقہ مفتی محمد امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ متوفی ۱۳۶۷ھ فرماتے ہیں: ''سنتیں بعض مؤکدہ ہیں کہ شریعت میں اس پر تاکید آئی۔ بلاعذر ایک بار بھی ترک کرے تو مستحق ملامت ہے اور ترک کی عادت کرے تو فاسق، مردود الشہادۃ، مستحق نار (جہنم) ہے۔ اور بعض ائمہ نے فرمایا: کہ ''وہ گمراہ ٹھہرایا جائے گا اور گنہگار ہے، اگرچہ اس کا گناہ واجب کے ترک سے کم ہے۔'' تلویح میں ہے، کہ اس کا ترک قریب حرام کے ہے۔ اس کا تارک مستحق ہے کہ معاذ اللہ! شفاعت سے محروم ہوجائے کہ حضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: ''جو میری سنت کو ترک کریگا، اسے میری شفاعت نہ ملے گی۔'' سنت مؤکدہ کو سنن الہدی بھی کہتے ہیں''۔ (بہارِ شریعت، جلد اول، حصہ چہارم، سنن ونوافل کا بیان، سنتِ مؤکدہ کا ذکر، مسائلِ فقہیہ، ص ۶۵۲)

تراویح سنّتِ مؤکدہ ہے

نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے تراویح کے لئے مسجد تشریف لانا اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کی موجودگی میں جماعت کروانا ثابت ہے البتہ تین شب آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے امامت فرمائی لیکن پھر امت پر تخفیف کے لئے کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے مواظبت کی وجہ سے یہ امت پر فرض نہ ہوجائے، جماعت ترک فرمادی۔

امام اہلسنّت فرماتے ہیں: ''سیّدِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے تین شب تراویح میں امامت فرماکر بخوف فرضیت ترک فرمادی تو اس وقت تک وہ سنت مؤکدہ نہ ہوئی تھی، جب امیرالمومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے اِجرا فرمایا اور عامہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس پر مجتمع ہوئے اس وقت سے وہ سنت مؤکدہ ہوئی نہ فقط فعل امیرالمومنین سے، بلکہ ارشادات سید المرسلین صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے۔ اب ان کا تارک ضرور تارکِ سنت مؤکدہ ہے اور ترک کا عادی فاسق وعاصی۔ واللہ تعالیٰ اعلم''۔ (فتاویٰ رضویہ، جلد ۷، کتاب الصلاۃ، ص ۴۷۰، مسئلہ ۱۰۷۵)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تراویح کی جماعت کے رواج کے حوالے سے غیب دان نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے پہلے ہی خبر عطا فرمادی تھی، چنانچہ کنز العمال میں حدیث شریف ہے نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ''سَیَحْدُثُ بَعْدِیْ اَشْیَاءُ فَاُحِبُّھَا اِلٰی اَنْ تَلْزَمُوْا مَا اَحْدَثَ عُمَرُ'' رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ (کنز العمال فی سنن القوال والافعال، فضائل فاروق اعظم) یعنی، میرے بعد بہت سی اشیاء ایجاد ہوں گی ان میں سے مجھے وہ سب سے زیادہ محبوب ہیں جو عمر ایجاد کریں گے۔

حضرت امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جماعتِ تراویح کی نسبت فرمایا: نِعْمَتِ الْبِدْعَۃُ ھٰذِہٖ (صحیح البخاری، کتاب الصوم، فصل من قام رمضان) یعنی، تراویح کیا ہی اچھی بدعت ہے۔

علامہ علاؤ الدین حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ فرماتے ہیں: (التراویح سنۃ) مؤکدۃ لمواظبۃ الخلفاء الراشدین (للرجال والنساء) إجماعا (ووقتھا بعد صلاۃ العشاء) إلی الفجر (قبل الوتر وبعدہ) في الاصح (الدر المختار، کتاب الصلاۃ، باب الوتر والنوافل، ص ۹۴، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت) یعنی، تراویح خلفائے راشدین کی مواظبت (ہمیشگی) کی بنا پر، مَردوں اور عورتوں کے لئے سنّتِ مؤکدہ ہے۔ اور اس کا وقت عشاء کی (فرض) نماز کے بعد سے فجر تک ہے، اصح قول کے مطابق وتر سے پہلے اور وتر کے بعد (بھی، یعنی اگر وتر پڑھ لئے تو ایسا نہیں کہ تراویح نہیں پڑھ سکتا)۔

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی علیہ الرحمہ متوفی ۱۲۵۲ھ فرماتے ہیں: وذكر في ''الاختيار'' أن أبا يوسف سأل أبا حنيفة عنها وما فعله عمر، فقال: التراويح سنة مؤكدة، ولم يتخرجه عمر من تلقاء نفسه، ولم يكن فيه مبتدعا، ولم يأمر به إلا عن أصل لديه وعهد من رسول الله ﷺ (ردالمحتار) یعنی، ''الاختیار'' میں مذکور ہے کہ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے تراویح سے متعلق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اسے باجماعت مقرر فرمانے سے متعلق پوچھا تو امام اعظم ابو حنیفہ حضرت نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تراویح سنّتِ مؤکدہ ہے اور استنباط حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے قیاس سے نہیں فرمایا اور نہ ہی ان کی اپنی بدعت ہے اور نہ ہی اپنی ہی جانب سے اس کا حکم صادر فرمایا بلکہ یہ رسولِ کریم رؤف ورحیم ﷺ کے ظاہری زمانہ مبارکہ سے اس کی اصل (دلیل) آپ کے پاس تھی۔

امام اہلسنت فرماتے ہیں: '' تراویح سنت مؤکدہ است ونزد محققین بترک سنت مؤکدہ نیز آثم شود خاصہ چوں ترک راعادت گیرد عدد ش نزد جمہور علمائے اُمت بست رکعت ست ودر روایتے از امام مالک سی وشش رکعت فی ''الدر المختار'': التراويح سنة مؤكدة لمواظبة الخلفاء الراشدين وهي عشرون رکعۃ بازسنت امیرالمؤمنین عمرفاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ عین سنت حضور پرنور سیدعالم ﷺ ست سیدعالم ﷺ مارا حکم باقتدائے ابوبکر وعمر فرمود رضی للہ تعالیٰ عنہما تاکید تام باتباع سنت خلفائے راشدین نمود رضی اللہ تعالیٰ عنہم احمد وابوداؤد والترمذی وابن ماجۃ عن العرباض بن سارية رضی اللہ تعالی عنہ، قال: قال رسول اللہ ﷺ ''عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ عَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ''(سنن ابوداؤد آخرباب فی لزوم السنہ)۔ یعنی، تراویح سنت مؤکدہ ہے محققین کے نزدیک سنت مؤکدہ کا تارک گنہگار ہے خصوصًا جب ترک کی عادت بنالے، تراویح کی تعداد جمہور امت کے ہاں بیس ہی ہے۔ ایک روایت کے مطابق امام مالک کے ہاں ان کی تعداد چھتیس ہے۔ ''در مختار'' میں ہے تراویح سنت مؤکدہ ہیں کیونکہ خلفاء راشدین نے اس پر دوام فرمایا اور وہ بیس رکعات ہیں، پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سنت رسالت مآب ﷺ کی ہی سنت ہے کیونکہ آپ ﷺ نے ہمیں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اقتدا کا حکم دیا ہے اور خلفاء راشدین کی اتباع سنت میں تاکید کامل فرمائی ہے۔ امام احمد، ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تم پر میری اور خلفائے راشدین کی سنت لازم ہے اسے دانتوں سے اچھی طرح مضبوطی کے ساتھ تھام لو۔ (فتاویٰ رضویہ، جلد ۷، کتاب الصلاۃ، باب الوتر والنوافل، مسئلہ ۱۰۶۲، ص ۴۵۵)

(۲) جماعتِ تراویح: امام شمس الدین السرخسی محمد بن أحمد بن سهل علیہ الرحمہ متوفی ۴۸۳ھ فرماتے ہیں: التراويح سنة لا يجوز تركها ؛ لأن النبي صلى الله عليه وسلم أقامها ثم بين العذر في ترك المواظبة على أدائها بالجماعة في المسجد وهو خشية أن تكتب علينا ثم واظب عليها الخلفاء الراشدون رضي الله عنهم وقد قال النبي صلى الله عليه وسلم { عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين من بعدي } وأن عمر رضي الله عنه صلاها بالجماعة مع أجلاء الصحابة فرضي به علي رضي الله عنه حتى دعا له بالخير بعد موته كما ورد وأمر به في عهده (المبسوط شرح الکافی للسرخسی) یعنی، تراویح سنت (مؤکدہ) ہے جس کا چھوڑنا جائز نہیں؛ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اسے قائم فرمایا پھر اس کی مسجد میں جماعت کے ساتھ ادائیگی پر

مواظبت کے ترک پر حکمت ارشاد فرمائی کہ کہیں ہم پر فرض نہ ہوجائے۔ پھر اس پر خلفائے راشدین نے مواظبت (ہمیشگی) فرمائی، اور بلاشبہ نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا کہ تم پر میری اور میرے بعد میرے ہدایت یافتہ خلفاء کی پیروی لازم ہے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اَجِلَّا صحابہ کرام کے ساتھ اسے جماعت کے ساتھ قائم فرمایا جسے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی پسند فرمایا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لئے ان کے انتقال کے بعد دعائے خیر فرمائی جیسا کہ وارد ہے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد میں بھی اسے باجماعت پڑھنے کا حکم فرمایا۔

"در مختار" میں ہے: (والجماعة سنة مؤكدة للرجال) قال الزاهدي: أرادوا بالتأكيد الوجوب إلا في جمعة وعيد، فشرط. وفي التراويح سنة كفاية۔ (الدر المختار، کتاب الصلاۃ، باب الامامۃ، ص۷۶، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت)

یعنی، جماعت مَردوں کے لئے سنّتِ مؤکدہ ہے، زاھدی نے کہا کہ فقہاء نے سنّتِ مؤکدہ فرما کر، واجب مُراد لی ہے یعنی، مطلقاً نمازوں میں جماعت واجب ہے، سوائے جمعہ اور عید کی نماز کے، کہ ان میں جماعت (نہ صرف واجب بلکہ) شرط ہے (یعنی عیدین اور جمعہ تو بغیر جماعت ہو ہی نہیں سکتے) اور تراویح میں سنّت (مؤکدہ علی) کفایہ ہے (یعنی، مسجد کے چند لوگ بھی باجماعت تراویح ادا کرلیں تو دیگر بھی ترکِ جماعت کی وجہ سے گناہ گار نہ ہوں گے اور اگر سب نے جماعت چھوڑ دی یعنی، تنہا تراویح پڑھتے رہے تو سب گناہ گار ہوں گے)۔

ایک اور مقام پر فرمایا: (والجماعة فيها سنة على الكفاية) في الأصح. فلو تركها أهل المسجد أثموا. إلا لو تركها بعضهم. وكل ما شرع بجماعة فالمسجد فيه أفضل. قاله الحلبي (در مختار، ص۹۰) یعنی، **تراویح میں جماعت سنتِ کفایہ ہے** اصح قول میں، پس اگر تمام مسجد والوں نے جماعت چھوڑی تو سب گناہ گار ہوں گے سوائے اس کے کہ چند ایک جماعت ترک کردیں (تو گناہ ترکِ جماعت کا گناہ کسی کو نہیں ہوگا) اور ہر وہ نماز جس میں جماعت مشروع ہو تو وہ مسجد ہی میں افضل ہے، یہ امام حلبی نے فرمایا۔

(۳) تراویح میں ختم قرآن سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے: شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ متوفی ۱۱۶۱ھ فرماتے ہیں، السنة فی التراویح انما هو الختم مرة فلا یترک لکسل القوم (الفتاویٰ الھندیہ، جلد، کتاب الصلاۃ، فصل فی التراویح) یعنی، تراویح میں ایک مرتبہ ختمِ قرآن سنت ہے لہٰذا لوگوں کی سستی کی وجہ سے ختمِ قرآن چھوڑا نہیں جائے گا۔

امام اہلسنّت امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ متوفی ۱۳۴۰ھ فرماتے ہیں: " اے برادر! روزہ فرضِ عین ست و فرض عین بر فرضِ کفایہ مقدم و ختمِ قرآن در **تراویح سنّتِ کفایہ است** و سنت کفایہ از سنت عین مؤخر " (فتاویٰ رضویہ، جلد ۱۰، کتاب الصوم (روزے کا بیان)، مسئلہ ۱۶۰، ص۳۳۵) یعنی، اے میرے بھائی! روزہ فرضِ عین ہے (یعنی، ہر مسلمان عاقل بالغ پر فرض ہے) اور فرضِ عین، فرضِ کفایہ پر مقدّم ہوتا ہے اور **تراویح میں ختمِ قرآن سنّتِ کفایہ ہے** اور سنّتِ کفایہ سنّتِ عین سے مؤخر ہوتی ہے۔

ختمِ قرآن کے بعد بھی پورے رمضان تراویح پڑھنی ہوگی:

اگر ختمِ قرآن رمضان **مکمل** ہونے سے قبل بھی ہوجائے تو باقی ایام میں بھی تراویح کا چھوڑنا مکروہ ہے۔ چنانچہ فتاویٰ ہندیہ (عالمگیری) میں ہے: لو حصل الختم لیلة التاسع عشر او الحادی والعشرین لا یترک التراویح فی بقیة الشهر لانها سنة کذافی الجوهرة النیرة الاصح انه یکره له الترک کذافی السراج الوهاج (الفتاویٰ الھندیہ، المجلد الاول، کتاب الصلاۃ، فصل فی التراویح) یعنی، اگر ختم قرآن اُنیسویں یا اکیسویں شب کو بھی ہوجائے تو باقی ماہ میں تراویح نہ چھوڑی جائے کیونکہ تراویح (پورے ماہ) سنت (مؤکدہ) ہے۔ جیسا کہ "جوہرہ نیرہ"

میں ہے۔ اور اصح یہ ہے کہ اس کا تراویح چھوڑنا مکروہ ہے جیساکہ ''السراج الوھاج'' میں ہے۔ واللہ تعالی أعلم بالصواب

تراویح بیٹھ کر پڑھنا کیسا؟

سوال: کیا کسی عذر یا تھکن کی وجہ سے تراویح بیٹھ کر پڑھ سکتے ہیں؟

الجواب بعون الملك الوھاب

بلا عذر بیٹھ کر تراویح پڑھنے کو فقہائے کرام نے مکروہ فرمایا۔ عذر ہونے کی صورت میں تو جائز ہے لیکن بلا عذر صرف سستی وغیرہ کی وجہ سے قیام ترک کر کے بیٹھ کر تراویح پڑھنا مناسب نہیں۔ چنانچہ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی علیہ الرحمہ متوفی ۱۲۵۲ھ فرماتے ہیں: أقول: لكن في الحلية عند الكلام على صلاة التراويح لو صلى التراويح قاعدا بلا عذر، قيل لا تجوز قياسا على سنة الفجر فإن كلا منهما سنة مؤكدة وسنة الفجر لا تجوز قاعدا من غير عذر بإجماعهم كما هو رواية الحسن عن أبي حنيفة كما صرح به في الخلاصة فكذا التراويح، وقيل يجوز والقياس على سنة الفجر غير تام فإن التراويح دونها في التأكيد فلا تجوز التسوية بينهما في ذلك. قال قاضي خان وهو الصحيح (رد المحتار، کتاب الصلاۃ، باب صفۃ الصلاۃ، مطلب قد یطلق الفرض الخ) یعنی، علامہ شامی فرماتے ہیں، کہ میں کہتا ہوں: مگر حلیہ نمازِ تراویح پر کلام میں ہے کہ نمازِ تراویح اگر بغیر عذر کے بیٹھ کر پڑھی تو فجر کی سنتوں پر قیاس کرتے ہوئے کہا گیا کہ جائز نہیں، تو بلاشبہ (سنّتِ فجر اور تراویح) دونوں ہی سنّتِ مؤکدہ ہیں اور چونکہ سنّتِ فجر فقہاء کے اجماع سے بغیر عذر بیٹھ کر پڑھنا جائز نہیں جیسا کہ امام حسن کی امام اعظم سے روایت ہے جو کہ خلاصہ میں تصریح کی گئی، لہٰذا اسی طرح کا حکم تراویح کا ہوگا۔ اور یہ بھی کہا گیا کہ بیٹھ کر تراویح پڑھنا بلا عذر جائز ہے اور سنّتِ فجر پر اس کو قیاس کرنا مکمل قیاس (کے متقاضی) نہیں۔ پس بلاشبہ تراویح تاکید میں سنّتِ فجر سے کم ہے اور دونوں کو برابر ٹھہرانا درست نہیں۔ علامہ قاضی خان نے فرمایا یہی درست ہے۔

اور علامہ علاؤ الدین حصکفی علیہ الرحمہ متوفی ۱۰۸۸ھ نے فرمایا: (وتكره قاعدا) لزيادة تأكدها، حتى قيل لا تصح (مع القدرة على القيام) كما يكره تاخير القيام الى ركوع الامام للتشبه بالمنافقين (الدر المختار، کتاب الصلاۃ، باب الوتر والنوافل، ص۹۵) یعنی، (نماز تراویح بیٹھ کر ادا کرنا مکروہ ہے) کیونکہ ان میں تاکید زیادہ ہے حتی کہ بعض فقہا کے قول کے مطابق بیٹھ کر نماز تراویح ہوتی ہی نہیں (قیام پر قدرت کے ہوتے ہوئے) جیسا کہ رکوعِ امام تک قیام کو مؤخر کرنا (یعنی امام کے رکوع کے وقت نماز کا شروع کرنا) مکروہ ہے، کیونکہ اس میں منافقین کے ساتھ مشابہت ہے۔

اور صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ متوفی ۱۳۶۷ھ فرماتے ہیں، ''تراویح بیٹھ کر پڑھنا بلا عذر مکروہ ہے، بلکہ بعضوں کے نزدیک تو ہوگی ہی نہیں۔ مقتدی کو یہ جائز نہیں کہ بیٹھا رہے جب امام رکوع کرنے کو ہو تو کھڑا ہو جائے کہ یہ منافقین سے مشابہت ہے۔ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: (وَ اِذَا قَامُوْۤا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى) منافق جب نماز کو کھڑے ہوتے ہیں تو تھکے جی سے۔ (بہارِ شریعت، جلد اول، حصہ چہارم، کتاب الصلاۃ، تراویح کا بیان، مسئلہ ۳۰،۳۱) **واللہ تعالی أعلم بالصواب**

تراویح میں الم تر سے ناس تک پڑھے یا صرف سورہِ اخلاص کی تکرار کرے؟

سوال: اگر کسی جگہ ختم قرآن نہ ہو اور صرف الم تر پڑھی جائے تو اگر وہ بجائے سورہ فیل (الم تر) کے بجائے ہر رکعت میں یعنی تمام بیس رکعت میں صرف قل ھو اللہ احد یعنی سورہ اخلاص کی تکرار کرتے رہیں تو کیا یہ جائز ہوگا؟

الجواب بعون الملك الوھاب

جی ہاں جائز تو ہوگا کہ سورۂ اخلاص ہی پڑھ لے لیکن اولاً بہتر یہی ہے کہ ختمِ قرآن کی صورت پیدا کی جائے تاکہ سنتِ کفایہ پر عمل

ہو ور نہ ثانیاً سورہ فیل سے سورہ ناس تک ہر دس رکعت میں تلاوت کرلے اس سے آسانی یہ ہوگی کہ یہ یاد رکھنا آسان ہوجائے گا کہ کتنی رکعتیں ادا ہوئیں۔ چنانچہ امام اہلسنت امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ متوفی ۱۳۴۰ھ فرماتے ہیں، ''جائز ہے بلاکراہت اگرچہ سورہ فیل سے آخر تک تکرار کا طریقہ بہتر ہے کہ اس میں رکعات کی گنتی یاد رکھنی نہیں پڑتی۔ ردالمحتار میں ہے: فی ''التجنیس''، واختار بعضهم سورة الاخلاص فی کل رکعة وبعضهم سورة الفیل ای البدائة منها ثم یعیدها وهذا احسن لئلا یشتغل فقلبه بعدد الرکعات(رد المحتار، مبحث التراویح) ''تجنیس'' میں ہے بعض نے ہر رکعت میں سورۃ اخلاص کو مختار کہا بعض نے سورۃ فیل کو یعنی اس سے ابتداء ہو اور پھر (دوسری دس رکعات میں یہی) تکرار کیا جائے اور سب سے بہتر ہے تاکہ دل تعداد رکعات کی طرف متوجہ نہ ہو۔ در مختار میں ہے: لاباس ان یقرء سورة ویعیدها فی الثانیة (الی قوله) ولایکره فی النفل شیئ من ذلک (در مختار، آخر فصل بجھر الامام) یعنی، اس میں کوئی حرج نہیں کہ ایک سورت پڑھی جائے اور دوسری رکعت میں اسے دوبارہ لوٹایا جائے (یہاں تک) کہ نفل میں ان میں سے کوئی شے بھی مکروہ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ رضویہ، جلد ۷، ص۴۵۸) **واللہ تعالی أعلم بالصواب**

تراویح کے بعد وتر اگر جماعت سے نہ پڑھے تو؟

سوال: اگر کوئی شخص رمضان المبارک میں تراویح تو پڑھے لیکن وتر جماعت کے ساتھ ادا نہ کرے بلکہ تنہا پڑھ لے تو کیا حکم ہوگا؟

الجواب بعون الملك الوهاب

جائز ہے۔ البتہ رمضان المبارک میں ہر وہ شخص جسے عشاء کی جماعت نہ ملی وہ وتر بغیر جماعت پڑھے اور اگر عشاء کی جماعت پائی تھی تب بھی وتر تنہا پڑھ سکتا ہے لیکن افضل یہی ہے کہ وہ باجماعت وتر ادا کرے۔ علامہ علاؤ الدین حصکفی علیہ الرحمہ متوفی ۱۰۸۸ھ فرماتے ہیں: هل الافضل فی الوتر الجماعة ام المنزل؟ تصحیحان۔(الدالمختار، کتاب الصلاۃ، باب الوتر والنوافل، ص۹۵، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت) یعنی، کیا وتر میں جماعت افضل ہے یا گھر پر پڑھے؟ تو اس مسئلے میں دونوں قول تصحیح شدہ ہیں۔ اور امام اہلسنّت امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ متوفی ۱۳۴۰ھ فرماتے ہیں، ''جماعت وتر نہ واجب ست نہ مؤکد در ترک او ہیچ بزہ کاری نیست بلکہ اختلاف درانست کہ افضل جماعت ست یا وتر تنہا گزاردن فی الدرالمختار هل الافضل فی الوتر الجماعة ام المنزل تصحیحان۔ یعنی، جماعت وتر نہ واجب نہ سنت مؤکدہ، اس کے ترک میں کوئی گناہ نہیں بلکہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ جماعت افضل ہے یا تنہا وتر ادا کرنا۔ در مختار میں ہے کہ کیا وتر جماعت کے ساتھ افضل ہیں یا گھر پر تنہا پڑھنا، دونوں قولوں کی تصحیح ہوئی ہے۔ (فتاویٰ رضویہ، جلد ۷، ص۴۸۴) ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا، ''جس نے فرض تنہا پڑھے وتر کی جماعت میں شریک نہ ہوگا کما فی الغنیة وجامع الرموز وردالمحتار (جیساکہ غنیہ، جامع الرموز اور ردالمحتار میں ہے) (غنیہ المستملی فصل فی النوافل) **جس نے فرض کسی جماعت میں پڑھے ہوں** اس کے باب میں بھی علماء مختلف ہیں کہ وتر جماعت سے ادا کرنا اولی ہے یا تنہا پڑھنا دونوں طرف ترجیحیں ہیں اور **زیادہ رجحان اس طرف ہے کہ جماعت افضل ہے**۔ رجحه الامام ابن الهمام وصححه العلامة الحلبی فی الغنیة، وقال خیر الرملی علیه عامة الناس الیوم (منحۃ الخالق علی البحر الرائق بحوالہ خیر الرملی باب الوتر والنوافل) واللہ تعالیٰ اعلم یعنی، امام ابن الہمام نے اسے ترجیح دی، علامہ حلبی نے غنیہ میں اس کی تصحیح فرمائی، اور خیر الدین رملی نے فرمایا: آج لوگوں کی اکثریت اس پر ہے۔ **واللہ تعالی أعلم بالصواب**

واللّٰہ تعالی أعلم بالصواب وإلیه المرجع والمآب

کتبها المفتي محمد فرحان القادري

وصدّقها المفتي محمد عطاء اللّٰہ النعیمي

فکر و نظر

سوچ بدل کے دیکھیں!

علامہ محمد سعد موسانی

"اگر آپ خود کو نہیں بدل پاتے تو اپنی سوچ کو بدلیں"

افضل اور ندیم دونوں میٹرک کلاس کے طالبعلم ہیں۔ میٹرک کے سالانہ امتحانات میں افضل ۸۷ فیصد نمبرز سے کامیابی حاصل کرتا ہے جبکہ ندیم ۵۵ فیصد نمبرز حاصل کرتا ہے۔ ۱۵سال بعد ندیم ایک ملٹی نیشنل کمپنی کا منیجر بن جاتا ہے جبکہ افضل ایک لوکل کمپنی میں لوگریڈ کی جاب پر معمور ہوتا ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے ایسا کیوں ہوا؟ ایسا اس لئے ہوا کہ ۱۵سال قبل صرف ان کے نتائج مختلف نہیں تھے بلکہ ایک اور چیز مختلف تھی، جس کی وجہ سے ندیم کم نمبرز حاصل کرنے کے باوجود بھی کامیابی سے ہم کنار ہوا اور افضل زیادہ نمبرز کے ہوتے ہوئے بھی ایک لوگریڈ افسر بنا۔ وہ چیز ہے ان دونوں کی سوچ۔ ندیم، مطلوبہ نمبرز حاصل نہ ہونے پر مایوسی کا شکار ہو گیا کہ اسے اس کی محنت کا برابر صلہ نہیں ملا۔ اس نے سوچا اب اسے اس کے پسندیدہ کالج میں داخلہ نہیں مل سکتا۔ اس نے اپنی کامیابی کو اچھے کالج پر منحصر کر دیا۔ اسی منفی سوچ کی وجہ سے اس نے اپنا پسندیدہ شعبۂ تعلیم چھوڑ دیا اور دوسرے شعبے کا انتخاب کر لیا جو اسکے شوق و طبیعت کے موافق نہ تھا۔ ندیم نے کم نمبرز حاصل ہونے پر اپنی غلطیوں پر غور و فکر کیا۔ ان کی اصلاح کی۔ کمزور مضامین میں محنت کی۔ پسندیدہ اور شوق کے موافق شعبۂ تعلیم کو جاری رکھا۔ ندیم کامیابی کے زینے چڑھتا گیا کیونکہ ندیم اس سوچ کا مالک تھا کہ ناکامی کامیابی کا پہلا زینہ ہوتی ہے۔

انسان کے اعضائے رئیسہ میں سے دماغ کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ اسی دماغ کی وجہ سے وہ اشرف المخلوقات سے ملقب ہے۔ دماغ ایک سوچ بنانے والی مشین ہے۔ ہم ہر وقت کچھ نہ کچھ سوچتے رہتے ہیں۔ کبھی خوشی، کبھی غم، کبھی اچھا، کبھی برا۔ انسان کی سوچ کا اس کی ذات اور اسکی زندگی پر بڑا گہرا اثر ہوتا ہے۔ سوچ سے رویے بنتے ہیں، رویوں سے کردار بنتا ہے، کردار سے فرد اور فرد سے معاشرہ بنتا ہے۔ اس طرح ایک اچھی سوچ ایک اچھے معاشرے کی تشکیل کا سبب بنتی ہے۔

انسانی دماغ میں کسی بھی حوالے سے جتنی بھی سوچیں آتی ہیں، بنیادی طور پر انہیں دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ مثبت سوچ اور منفی سوچ۔

مثبت سوچ اور اس کے فوائد

مثبت سوچ سے مراد ہر وہ سوچ ہے جو انسان کو ترقی، بہتری، فلاح و بہبودی کی جانب لے کر جاتی ہے۔ اس سوچ کا حامل شخص ہر چیز میں خیر کا پہلو تلاش کرتا ہے۔ وہ سخت ترین حالات میں بھی امید کا دامن نہیں چھوڑتا۔ وہ نتائج کے حصول میں جلد بازی سے کام نہیں لیتا۔ اپنے ہر تجربے کو مفید سمجھتا ہے۔ اندھیرے میں مایوس ہونے کے بجائے وہ روشنی تلاش کرتا ہے۔ اپنی غلطیوں اور ہار کو سیکھنے سے تعبیر کرتا ہے۔ اپنی کمزوریوں سے ڈرنے کے بجائے ان کا ڈٹ کر مقابلہ کر کے انہیں اپنی طاقت بنا لیتا ہے۔ لوگوں کے طعنے اور ان کے رد عمل کی پرواہ کرنے کے بجائے مستقل جدوجہد کے ذریعے اپنے مقصد کے حصول کے لیے کوشاں رہتا ہے۔ اس کی نگاہ صرف موجود میسر پر ہوتی ہے۔ چھوٹے بڑے ہر موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے لیے کامیابی کے زینے بناتا جاتا ہے۔ چھوٹی چھوٹی کامیابیوں پر خوش

ہوتا ہے۔ چونکہ وہ محرومیوں کی طرف التفات نہیں کرتا اس وجہ سے اس کی زندگی خوشحال اور پرسکون ہوتی ہے۔ اسکی زندگی پریشانیوں سے محفوظ رہتی ہے کیونکہ وہ وقت سے پہلے اور ضرورت سے زیادہ کی خواہش نہیں کرتا۔ وہ ڈپریشن اور دیگر متعلقہ امراض سے بچا رہتا ہے۔ حوادث و واقعات کو اپنے آپ پر حاوی نہیں ہونے دیتا۔ جیسا چاہتا ہے ویسا سوچتا ہے۔ وہ اپنی سوچ کا تابع نہیں ہوتا، اسکی سوچ اسکے تابع ہوتی ہے۔ مشکل حالات میں بھی درست فیصلہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اپنی مثبت سوچ کے ذریعے وہ اردگرد کے افراد کی بھی اصلاح کرتا ہے۔ انہیں بھی مثبت سوچنے کی طرف راغب کرتا ہے۔ اسطرح وہ معاشرے کی اصلاح میں بھی اپنا مثبت کردار ادا کرتا ہے۔

منفی سوچ اور اس کے نقصانات

اسکے برخلاف اگر بات کی جائے منفی سوچ کی تو منفی سوچ سے مراد ہر وہ سوچ ہے جو انسان کو تنزلی، محرومی اور ناکامیوں کی طرف لے کر جاتی ہے۔ اس سوچ کا حامل شخص ناکامیوں پر مایوس ہو جاتا ہے۔ اپنے متعیّن کردہ مقاصد کے عدم حصول کی وجہ سے وہ مقاصد ہی بدل دیتا ہے۔ اسکی نگاہ صرف اس چیز پر ہوتی ہے جو اسکے پاس نہیں ہوتی۔ اسکے بارے میں سوچتے رہنے کی وجہ سے وہ پریشان رہتا ہے۔ زندگی سے سکون ختم ہو جاتا ہے۔ اس وجہ سے وہ موجودہ وسائل اور مواقع سے بھی استفادہ کرنے سے محروم ہو جاتا ہے۔ کامیابی اس کی نظر میں فقط مقصد کے حصول کا نام ہوتا ہے۔ تنگ نظری کی وجہ سے اسکی نگاہ محض منزل کی رسائی تک ہوتی ہے، منزل کے راستوں سے ملنے والے فوائد کی قیمت سے وہ ناآشنا ہوتا ہے۔ وہ اپنی سوچوں پر قابو نہیں کر پاتا۔ زندگی کے تلخ تجربات اس کا پیچھا نہیں چھوڑتے۔ وہ بری یادوں کو بھلا نہیں پاتا۔ اسے اسکی سوچیں اندر ہی اندر ختم کر رہی ہوتی ہیں۔ وہ ڈپریشن جیسے امراض کا شکار ہو جاتا ہے۔ اسکی صلاحیتیں ماند پڑ جاتی ہیں۔ وہ مشکل حالات میں درست فیصلہ کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا۔ بے چینی اور احساس کمتری اسکی زندگی کا جزو لاینفک بن جاتی ہے۔ ہر وقت منفی سوچنا اسکی پرسنل اور پروفیشنل لائف برباد کر دیتا ہے۔ ایسا شخص لوگوں کے سامنے اپنی منفی سوچوں، اپنی پریشانیوں کا اظہار کر کے لاشعوری طور پر انہیں بھی منفی سوچنے کی طرف راغب کر رہا ہوتا ہے جسکی وجہ سے وہ معاشرے کے بگاڑ کا سبب بنتا ہے۔

مثبت سوچ پیدا کرنے کے ذرائع

۱۔ بطورِ مسلمان اس آیت مبارکہ پر کامل یقین رکھا جائے ''قریب ہے کہ کوئی بات تمہیں ناپسند ہو حالانکہ وہ تمہارے حق میں بہتر ہو اور قریب ہے کہ کوئی بات تمہیں پسند آئے حالانکہ وہ تمہارے حق میں بری ہو اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے'' (البقرہ،۲۱۶)۔ ہر حال میں اللہ پاک سے متعلق اچھا گمان رکھا جائے۔ وہ ہمارے ساتھ کچھ برا نہیں ہونے دے گا۔ ہماری نگاہیں محدود ہیں۔ وہ ہمارے ماضی، حال مستقبل، عادات، فطرت ذوق، مزاج سب سے باخبر ہے۔ ستر ماؤں سے بڑھ کر پیار کرنے والا، ہم سے زیادہ ہماری بہتری جانتا اور چاہتا ہے۔

۲۔ ہر معاملے میں فائدے کے پہلو کو تلاش کیا جائے۔ لفظ ''ہار'' زندگی سے نکال دیا جائے۔ انسان ہر صورت میں حاصل کرتا ہے۔ کبھی منزل تو کبھی سبق۔ زندگی کے ہر تلخ تجربے اور ناکامی کو ایک سبق سمجھا جائے۔ مقصد کے حصول کے لیے کوشش کرنی چاہیے۔ لیکن عدم حصول پر مایوسی کے بجائے یہ سوچنا چاہیے کہ اس تجربے سے کچھ نہ کچھ سیکھنے کو ملا اور سیکھنا کبھی بھی نقصان دہ نہیں ہوتا۔

۳۔ ہر مشکل اور پریشانی کو اپنے لیے امتحان سمجھا جائے۔ اللہ پاک انسان کی استطاعت سے بڑھ کر اس پر پریشانیاں نہیں ڈالتا۔ پریشانیاں انہی پر آتی ہیں جو ان سے نکلنے اور ان کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ (بقیہ صفحہ ۲۴ پر ملاحظہ فرمائیں)

الحادی شبہات کے جوابات (دوسری قسط)

علامہ محمد انس بندیالوی

عورت کو طلاق دینے کا حق کیوں نہیں؟

اعتراض:

اسلام مرد کو طلاق کا حق دیتا ہے، عورت کو کیوں نہیں دیتا؟ کیا عورت انسان نہیں ہے؟ کیا اس کے حقوق نہیں ہیں؟ یہ کیا بات ہے کہ مرد تو جب جی چاہے، عورت کو دو حرف کہہ کر، فارغ کر دے اور عورت ساری زندگی شوہر کے ظلم کی چکّی میں پسنے کے باوجود بھی اپنی جان بخشی نہ کرا سکے۔۔؟ کیا یہ ظلم نہیں؟؟؟ مغرب نے عورت کو بھی طلاق کا حق دیا ہے، اس میں مساوات بھی ہے اور اب طلاق کی شرح میں نمایاں کمی بھی آچکی ہے، ان حقائق کے باوجود، ہماری آنکھوں پہ پٹّی ہے؟؟

جواب:

پہلی تمہید: جب کبھی بھی دنیاوی معاملات ہوتے ہیں، تو اکثر ایک جانب سے محنت پیش کی جاتی ہے اور دوسری جانب سے مال خرچ کیا جاتا ہے، مثلاً: ایک مزدور کو، ایک دن کے کام کے لئے لایا جائے، اس نے کام شروع کیا، اینٹیں بھگوئیں، سیمنٹ بنائی، دیوار کھڑی کرنا شروع کیں، پھر نامکمّل کام کر کے چلتا بنا۔۔ تو یقیناً ہم اسے کام پورا کئے بغیر جانے نہیں دیں گے۔۔ جب کہ ہم اس مزدور کو کام کے درمیان میں فارغ کرنا چاہیں تو اس کی اجرت دے کر فارغ کر سکتے ہیں۔۔ اگر مزدور کہے کہ: "میں اجرت لینے کے باوجود نہیں جاتا۔۔" تو وہ ایسا نہیں کر سکتا؛ کیوں کہ

دنیا کا اصول یہ ہے کہ، ہمیشہ مال خرچ کرنے والے کا اختیار دوسرے سے زیادہ ہوتا ہے، کوئی معاملہ طے ہونے کے وقت تو دونوں فریقوں کی رضامندی ضروری ہے، لیکن معاملہ طے ہو جانے کے بعد، رقم خرچ کرنے والا شخص، کام کے انجام تک پہنچنے سے پہلے، (واجبات کی ادائیگی کے بعد) خدمت فراہم کرنے والے کو فارغ کر سکتا ہے، مگر خدمت فراہم کرنے والا فریق، کام کو درمیان میں چھوڑ کر، خرچ کرنے والے کو فارغ نہیں کر سکتا۔

دوسری تمہید: اگر معاملہ اس کے الٹ کر دیا جائے، یعنی خدمت فراہم کرنے والے فریق کو کسی بھی وقت پیسہ خرچ کرنے والے کو فارغ کرنے کا اختیار ہو تو، مزدور دوپہر کو ہی کام چھوڑ کر گھر چلے جائیں گے، ملازم عین ڈیوٹی کے درمیان غائب ہو جائیں گے، درزی آپ کا سوٹ آدھا سلا اور آدھا کٹا ہوا واپس کر کے باقی کام کرنے سے انکار کر دے گا، نائی آپ کے آدھے سر کی ٹنڈ کر کے آپ کو دوکان سے باہر نکال دے گا، دنیا کا سب نظام درہم برہم ہو جائے گا۔

تیسری تمہید: ہر طاقتور اپنے سے کمزور کو دباتا ہے، خوفِ خدا۔۔ یا۔۔ خوفِ سزا ہی اسے روکتا ہے؛ چناں چہ ظلم اور ناانصافی کو ختم کرنے کے لئے، پولیس و عدالت کا نظام شفّاف ہونا چاہئے اور دینی احکام کا حقیقی نفاذ ہی اس کا واحد حل ہے۔

چوتھی تمہید: عام فہم بات ہے کہ، اگر دو شخص آپس میں کوئی معاہدہ توڑتے۔۔ یا۔۔ ختم کرتے ہیں، تو اس سے پہلے معاہدہ منعقد ہونا

ضروری ہے، اگر معاہدہ ہی نہ ہو، پھر بھی اس کے ختم ہونے۔۔یا۔۔مکمّل ہونے کی بات کرنا بے وقوفی ہے۔

اب پہلی تمہید کے مطابق سوال کا جواب یہ ہے کہ،

ایک مرد اور ایک عورت جب نکاح کے پاکیزہ بندھن میں بندھ جاتے ہیں تو یہ کاروباری۔۔یا۔۔وقتی معاہدہ نہیں ہوتا، بلکہ دلوں کا سودا، عمر بھر کا ساتھ ہوتا ہے، چنانچہ یہاں دنیاوی معاملات سے زیادہ اصول وضوابط ہوتے ہیں۔

اسلام اب اس عورت کی ساری زندگی کی ہر ذمہ داری اس مرد پر ڈالتا ہے، جیسے: حفاظت، عزّت، کھانا، پینا، رہن سہن، علاج معالجہ، کپڑا، زیور، لین دین، یہاں تک کہ اس عورت کے مرنے کے بعد اس کے کفن دفن کا بندوبست بھی اسی مرد کو کرنا ہے۔ مرد کے مرنے کی صورت میں اس مرد کی بہت سی وراثت بھی اسی عورت کو ملتی ہے۔ جو بچے پیدا ہوتے ہیں، وہ یوں تو دونوں ہی کے ہیں، مگر ان بچوں کی مکمل ذمّہ داری بھی صرف اور صرف مرد پر ہے، عورت اِن تمام ذمّہ داریوں سے آزاد ہے۔ ساری ذمّہ داریوں سے پہلے مہر کی ادائیگی، پھر حسنِ سلوک کی تاکید اور ثواب، بدسلوکی کی سخت مذمّت اور دنیاوی واخروی جوابدہی۔

ان سب کے مقابلے میں، عورت سے اسلام صرف یہ تقاضا کرتا ہے کہ: وہ شوہر کی فرمانبرداری اور وفاداری کرے، اس کی عزّت، جان، مال اور اولاد کی حفاظت کرے۔

لہٰذا ڈھیروں فرائض کے بدلے میں (عقلاً وشرعًا) شوہر ہی اس بات کا حق رکھتا ہے کہ طلاق کا حق اسے حاصل ہو۔

اب دوسری تمہید کے مطابق سوال کا جواب یہ ہے کہ،

اگر طلاق کا حق عورت کو دیا جائے تو خاندانی نظام درہم برہم ہو جائے گا؛ کیونکہ مرد ہزاروں جتن کے بعد رشتہ کرے، بہت محنت سے گھر کا بندوبست کرے، ڈھیروں مال خرچ کرکے دھوم دھام سے شادی کرے، لاکھوں روپے مہر ادا کرے، پھر جوں ہی مہر مل جائے، عورت مرد کو کہے: "میں نے آپ کو طلاق دی، طلاق، طلاق"، آپ کے دل ودماغ پر کیا گزرے گی۔۔۔

پھر وہ عورت دوسرے مرد کے ساتھ یہی کرے، پھر تیسرے، پھر چوتھے مرد۔۔۔ یہ بہترین کاروبار تو بن سکتا ہے، لیکن مثالی گھر نہیں بن سکتا۔ دس پندرہ مردوں کی زندگی بھر کی کمائی پر قبضہ کرکے، یہی آنٹیاں پھر عورت مارچ میں دندناتی پھرتی ہیں، ہاتھ میں بینر (banner) ہوتا ہے، "طلاق یافتہ اور بہت خوش۔" (divorcedandhappy)

دوسرا خاندان کی خرابی کا مسئلہ یہ ہوگا کہ،

شوہر، بیوی پر صرف اس لئے اتنا خرچ کرتا ہے کہ "وہ اپنی بیوی کو ہمیشہ کے لئے اپنی ہی سمجھتا ہے"،

اب عورتوں کے لبرل خیر خواہ نے جو یہ کاروبار شروع کروادیا ہے، تو مرد کے پاس بھی عقل ہے، وہ گھاٹے کا سودا نہیں کرے گا، اس کے دل میں یہ خوف پیدا ہو جائے کہ یہ عورت کسی بھی وقت کسی دوسرے آشیانے کو روانہ ہو سکتی ہے، وہ کیوں اپنا نقصان کرے گا؟!

وہ کیوں کھلے دل سے بیوی پر اپنا مال، جان، دل سب کچھ لٹاتا پھرے گا؟!

کیوں اس کے نخرے اٹھائے گا؟!

گندم کا ایک دانہ بھی دیتے وقت سو مرتبہ سوچے گا۔۔،

اس سے عورت کی زندگی ہمیشہ کے لئے جہنّم بن جائے گی۔۔۔!!

پھر لبرل آنٹیاں اس مظلوم عورت کو اپنے ساتھ عورت مارچ میں لے جائیں گی، ہاتھ میں پوسٹر (poster) تھمادیں گی، "بیوی اور نوکرانی

میں فرق سمجھو۔"

اب تیسری تمہید کے مطابق سوال کا جواب یہ ہے کہ،

اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے حقوق نہیں دیتا، ظلم کرتا ہے، طلاق بھی نہیں دیتا۔۔۔وغیرہ۔۔ان تمام مسائل کا حل اور مکمل حل اسلامی نظام ہے، وہی اسلامی نظام جس کی راہ میں رکاوٹ یہی فیمینسٹ آنٹیاں ہیں، جو دن کے چوبیس گھنٹے، سال کے 365 دن پھرتیاں دکھاتی ہیں، خصوصاً 8 مارچ کو خود بھی ناچتی ہیں، دوسروں کو بھی نچواتی ہیں، بلا معاوضہ مجرا دکھاتی ہیں۔

اگر مکمل طور پر اسلامی نظام قائم ہو، ہر طرف اللہ عزّوجلّ اور اس کے رسول ﷺ کے فرامین کی عزت، اہمیت اور بالادستی ہو تو ایک طرف تو سب لوگوں میں اللہ سبحانہٗ کا خوف، تقوی، نیکی کا شوق اور برائی سے دوری کے احساسات پیدا ہوں گے اور یہ وہ چیزیں ہیں، جو ہر سطح پر ظلم، زیادتی اور گناہ کو روکنے کے لئے اہم کردار ادا کرتی ہیں جو پولیس، فوج اور عدالت بھی نہیں کر سکتی۔۔۔

اگر پھر بھی شوہر کسی صورت اس کا حق نہیں دیتا۔۔یا۔۔دینے پر قادر ہی نہیں ہے، تو اس مرد سے عورت کو طلاق دینے کا مطالبہ کیا جائے گا اور اگر وہ طلاق بھی نہیں دیتا، تو عدالت اسے جیل میں بند کر دے گی، پولیس درگت بنائے گی، تنہائی اور بے بسی کا مزہ چکھے گا تو خود ہی بیوی کی بے بسی کا احساس پیدا ہوگا، ورنہ جب تک اس کی بیوی عذاب میں رہے گی، وہ بھی اسی دائمی عذاب (جیل کی سزا) میں مبتلا رہے گا۔

تیسری تمہید کی روشنی میں اعتراض کرنے والی کی بے وقوفی بالکل واضح ہے اور مغرب کی کالی پٹّی خود ان کی آنکھوں پر بندھی ہوئی ہے؛

کیونکہ طلاق وہاں ہوتی ہے، جہاں پہلے شادی ہو، جب شادی ہی نہیں ہوئی تو طلاق کیسے ہوگی؟؟

مساوات کے دھوکے، عورتوں کی بالادستی کا فریب، غیر ضروری قوانین کی کثرت نے مغرب کا خاندانی نظام مکمّل تباہ کر دیا ہے، مردوں کے لئے آسانی اور عورتوں کے لئے مشکلات پیدا کر دی ہیں۔

وہاں بات دوستی سے شروع ہوتی ہے اور جنسی تعلق پر ختم ہوجاتی ہے، اب اگر عورت پیسے مانگے تو اسے فاحشہ (slut) کہتے ہیں، رقم نہ مانگے تو ایک باعزّت لڑکی (good girl) ہے۔

بچوں کی پیدائش کی نوبت آتی نہیں ہے، غلطی سے حمل ٹھہر جائے تو فوراً ساقط کروایا جاتا ہے، بالفرض بچہ ہو بھی جائے تو مرد پہلے ہی دوسری عورت کے ساتھ جا چکا ہوتا ہے، اگر موجود ہو بھی تو دیکھ بھال میں کمی کرتا ہے، دیکھ بھال کر بھی لے، لیکن شادی نہیں کرتا، تو طلاق کیسے ہوگی۔

حال ہی میں مشہور فُٹ بالر (Ronaldo) رونالڈو کی خبر گردش کر رہی تھی، جو ہمارے مہذّب معاشرے کے لئے یقیناً عجیب تھی کہ:

رونالڈو کی گرل فرینڈ Georgina Rodriguez نے، رونالڈو سے چار بچوں کی پیدائش کے بعد، اب اسے ایک ذمّہ دار اور وفادار مرد سمجھ کر، رونالڈو سے شادی کا ارادہ کر لیا ہے۔

لہٰذا لبرل خواتین و حضرات سے ہماری گذارش ہے کہ مسلمانوں کی فکر چھوڑیں اور حقیقی لبرل بنیں، یہ نعرہ آپ سب کے لئے لگاتی/لگاتے ہیں: "میرا جسم، میری مرضی۔"

قواعد:

۱۔ کسی بھی عمل کے وجود کے فوائد، حقیقی دلیل ہوتے ہیں۔

۲۔ مدِّ مقابل کی بات کو وقتی طور پر تسلیم کرکے اس کے نقصانات بیان کرنا "عکسی دلیل" ہوتی ہے، یہ "**دلیل الخلف**" انتہائی مؤثر طریقہ ہے۔

۳۔ موقوف کا وجود بعد میں ہوتا ہے، موقوف علیہ کا پہلے ہوتا ہے۔

مطالعۂ سیرت

بعد بعثت معاشرتی امن کے لیے نبی کریم ﷺ کا کردار

حافظ احمد

بعثت نبوی ﷺ کے بعد کے حالات کا بغور جائزہ لیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ ابتدائی تین سال تک نبی کریم ﷺ خفیہ تبلیغ فرماتے رہے اور پھر رب تبارک و تعالی نے وحی کے ذریعے آپ کو علانیہ تبلیغ فرمانے کا حکم ارشاد فرمایا۔ لہذا اس تین سال کے عرصے میں نبی کریم ﷺ نے ان منتخب افراد تک دین کی دعوت پہنچائی جو بہت زیادہ قابلِ اعتبار تھے۔ اس میں جہاں بہت سی حکمتیں ہوں گی وہیں ایک حکمت یہ بھی نظر آتی ہے کہ اگر دعوت کی بات اچانک پھیل جاتی تو قریش کی طرف سے مخالفت کی نوعیت شاید مختلف ہوتی جس کے نتیجے میں ممکن تھا کہ حالات زیادہ خراب ہوتے، گرچہ مخالفت تو بعد میں بھی ہوئی اور شدید ہوئی اور وہ تو ہونی ہی تھی کیونکہ باطل حق کو کبھی قبول نہیں کرتا لہذا مخالفت تو یقینی تھی لیکن پھر بھی ابتداء میں دعوت کے لیے جس انداز کا ماحول بنایا گیا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ معاشرے میں امن و امان قائم رکھنا نبی کریم ﷺ کی اولین ترجیحات میں سے تھا۔

اسی طرح ایک بات اور بھی مد نظر رکھی جائے کہ معاشرے کو پرامن بنانے کے لیے ضروری ہے کہ اس معاشرے میں اخلاقی اقدار زندہ ہوں اور ان کا پاس و لحاظ بھی رکھا جائے۔ نبی کریم ﷺ کی دعوت کو دیکھا جائے تو آپ کی دعوت تمام اخلاقی اقدار کی بھی جامع تھی جیسا کہ خود آپ کا ارشاد بھی اس پر شاہد ہے۔ یہ بات اس مقام پر ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ رؤسائے قریش نے جو نبی کریم ﷺ کی دعوت کی مخالفت کی اس کے جہاں بہت سے اسباب تھے وہیں ایک سبب یہ بھی تھا کہ قریش کے رؤسا اور سردار اخلاقی زوال کا شکار تھے، مختلف قسم کی سماجی برائیاں ان کے اندر کوٹ کوٹ کر بھری تھیں لہذا اگر حضور ﷺ کا پیغام پھیل جاتا تو ان کے پاس جو اختیارات تھے اور جو اقتدار تھا وہ چلا جاتا اور اسی کے ساتھ سماج سے برائیوں کا خاتمہ ہو جاتا جس کے نتیجے میں معاشرہ امن کا گہوارہ بن جاتا۔ یعنی یہ واضح ہو گیا کہ حضور ﷺ سماجی و معاشرتی اخلاق کو فروغ دے کر معاشرے کو امن و امان کے گلدستوں سے سجانا چاہتے تھے جو کفارِ مکہ کو منظور نہ تھا۔ اب آئیے بعدِ بعثت قیامِ امن کے لیے نبی کریم ﷺ کی کوششوں کا واقعات کے تناظر میں جائزہ لیتے ہیں۔

ہجرتِ حبشہ:

مکی زندگی میں بعد از بعثت معاشرے میں قیامِ امن کے سلسلے میں نبی کریم ﷺ کی کوششوں کا جائزہ لیا جائے تو اس میں ہجرتِ حبشہ کا واقعہ سرِفہرست نظر آتا ہے۔ ہجرتِ حبشہ اسلامی تاریخ کی پہلی ہجرت تھی اور پھر دوسری مرتبہ بھی مسلمانوں نے آپ ﷺ کے حکم سے حبشہ ہی کی طرف ہجرت کی تھی۔ ہجرتِ حبشہ معاشرے میں قیامِ امن کے سلسلے میں کس طرح ایک بہترین فیصلہ تھا اس کا اندازہ لگانے کے لئے آئیے پہلے مختصراً اس کا پسِ منظر جانتے ہیں۔

پس منظر:

نبی کریم ﷺ نے ابتدائی تین سال خفیہ طور پر تبلیغ کی اور پھر اس کے بعد علانیہ تبلیغ کا آغاز ہوا اور ہر خاص و عام تک اسلام کا پیغام پہنچ گیا۔ سرداران قریش نے جب دعوتِ حق کو سنا تو ان کے تن بدن میں آگ لگ گئی کیونکہ وہ اس بات کو بالکل برداشت نہیں کر پا رہے تھے کہ کوئی ان کے آباء و اجداد کے دین کو چھوڑنے کی

باتیں کرے، ان کے معبودانِ باطلہ یعنی بتوں کو برا بھلا کہے اور ان کے فرسودہ رسوم کی مخالفت کرے لہذا انہوں نے نبی کریم ﷺ کی اور آپ کی دعوت پر لبیک کہنے والے اصحاب و بندگانِ خدا سے دشمنی اختیار کرلی اور مخالفت پر اتر آئے اور یہ مخالفت صرف زبانی کلامی مخالفت نہیں تھی بلکہ وہ اس مخالفت میں اس قدر آگے بڑھ گئے کہ انہوں نے سرزمینِ مکہ پر ظلم وستم کی ایک نئی تاریخ رقم کردی۔

یوں تو قریشِ مکہ نے بانی اسلام حضرت محمد ﷺ کو بھی ایذا پہنچانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی جیسے راستے میں کانٹے بچھانا اور آپ کے صحن میں کوڑا کرکٹ ڈال دینا لیکن کئی وجوہات کی بنا پر وہ حضور ﷺ کی ذات مبارکہ کو باضابطہ نشانہ نہیں بنا سکتے تھے جیسا کہ انہوں نے دیگر اصحاب و افراد کو بنایا بالخصوص ایمان لانے والوں میں سے ان افراد کو جو مال و دولت نہ ہونے کی وجہ سے یا غلامی کی زندگی بسر کرنے کی وجہ سے بے حد کمزور تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جو ایک تاجر ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے قبیلہ بنو تمیم کے سردار تھے، جب انہوں نے حرم شریف میں بلند آواز سے قرآن کریم کی تلاوت شروع کی تو کافروں نے آپ کو اس قدر مارا کہ آپ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی قبیلہ بنو امیہ کے ایک معزز رکن تھے، جب آپ نے اسلام قبول کیا تو آپ کے چچا نے آپ کو کچے چمڑے میں لپیٹ کر اور رسی میں باندھ کر دھوپ میں ڈال دیا۔ اب آپ اندازہ کیجیے کہ جب حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہما جیسے اثر و رسوخ رکھنے والے اصحاب کو اس قدر تکالیف کا سامنا کرنا پڑا تھا تو کمزور لوگوں پر کیا کیا مظالم نہیں ڈھائے گئے ہوں گے۔ حضرت بلال، حضرت عامر بن فہیرہ، حضرت خبیب اور حضرت عمار رضی اللہ عنہما کے اجسام مبارکہ کو جس انداز سے تختہ مشق بنایا گیا اور عرب کے تپتے صحرا اور چلچلاتی دھوپ میں ظلم وستم کے جو پہاڑ ان پر توڑے گئے تاریخ و سیر کی کتابیں اس پر شاہد ہیں۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو تو اپنے والدین کے بچھڑنے کا صدمہ بھی برداشت کرنا پڑا۔ آپ کی والدہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا اسلام کی راہ میں شہید ہونے والی پہلی خاتون ہیں۔

نبی کریم ﷺ کا امن ساز فیصلہ:

ایک طرف ظلم وستم کی یہ داستانیں ہیں اور ایک طرف پیارے آقا ﷺ کے جانثاروں کی ہمت اور ثابت قدمی ہے اور پھر خود پیارے آقا ﷺ کا صبر ہے کہ اتنا ظلم ہونے کے باوجود آپ کوئی ایسا ری ایکشن نہیں دے رہے جس سے معاشرے میں امن و امان کی فضا مزید مکدر رہو، مزید انتشار پھیلے، کفارِ مکہ کی طرف سے تو امن کا جنازہ نکالا ہی جا رہا تھا لیکن آپ اور آپ کے اصحاب ایسا کوئی فعل سرانجام نہیں دے رہے تھے جس سے معاشرے کے امن کو مزید نقصان پہنچے اور پھر اس وقت معاشرے میں امن کو برقرار رکھنے کے لیے نبی کریم ﷺ نے جو مسلمانوں کے حق میں جو فیصلہ فرمایا تاریخ میں اسے ہجرتِ حبشہ کا نام دیا جاتا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے جب محسوس کیا کفار کی طرف سے مظالم بڑھتے ہی جا رہے ہیں اور مسلمان ایک طرف جہاں ظلم وستم برداشت کر رہے ہیں وہیں دوسری طرف اسلامی احکامات پر عمل بھی ان کے لیے مشکل سے مشکل ترین امر ہوتا جا رہا ہے تو بالآخر نبی کریم ﷺ نے اعلانِ نبوت کے پانچویں سال مسلمانوں کو ہجرتِ حبشہ کی اجازت مرحمت فرمائی جس میں گیارہ مرد اور چار عورتوں نے ہجرت کی اور حبشہ کا انتخاب اسی لیے کیا گیا تھا کیونکہ وہاں کا بادشاہ نجاشی ایک عادل حکمران تھا لہذا ایسا ممکن نہیں تھا کہ وہ وہاں پر بلاوجہ مسلمانوں پر ظلم وستم کرتا۔

(سیرۃ ابن ھشام ت السقا:۱/۳۲۲)

مسلمان جب حبشہ کے لیے نکلے تو تب بھی کفارِ مکہ نے ان کا پیچھا نہ چھوڑا یہاں تک کہ وہ بھی حبشہ پہنچ گئے تاکہ نجاشی کو مسلمانوں کے خلاف ورغلا سکیں لیکن نجاشی کے سامنے ان کی

ایک نہ چلی اور انہیں خائب و خاسر لوٹنا پڑا۔ پھر حبشہ کی طرف دوسری مرتبہ بھی ہجرت ہوئی تھی جس میں ۸۳ افراد شامل تھے۔ ہجرتِ حبشہ کی اجازت نبی کریم ﷺ کی طرف بعد از بعثت معاشرے میں قیامِ امن کے سلسلے میں ایک بہت اچھی پیش رفت تھی جس سے آپ نے معاشرے میں کفار کی طرف سے پھیلنے والے انتشار کو بھی روکنے کی کوشش کی اور دوسری طرف بے گناہ لوگوں کو کفار سے ظلم وستم سے آزادی دلانے کی کوشش بھی کی۔ یہ الگ بات ہے کہ پھر پیچھے رہ جانے والے افراد پر کفار کی طرف سے مزید مظالم ہونا شروع ہوگئے تھے لیکن پھر ہم دیکھتے ہیں کہ حبشہ کی طرف جب دوسری ہجرت ہوتی ہے تو اس میں لوگوں کی تعداد بھی بڑھ جاتی ہے اور پھر ظلم وستم کے سلسلے میں حتمی کمی تو اسی وقت آتی ہے جب مدینہ طیبہ کی طرف حتمی ہجرت ہوتی ہے۔ تو اس پورے سلسلے کو بنظرِ غائر دیکھنے سے یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی طرف سے اس دوران ایک مرتبہ بھی اس طرح کی کوئی کوشش نہیں کی گئی جس سے معاشرے کے امن کو نقصان پہنچے بلکہ آپ نے تو وہی فیصلہ فرمایا جس سے بے گناہ لوگوں کی جان بھی محفوظ ہو اور معاشرے میں مزید انتشار بھی نہ پھیلے لیکن کفارِ مکہ کی شرارت اس قدر زیادہ تھی اور ان کی دشمنی اس نہج پر پہنچ گئی تھی کہ وہ کسی قیمت پر چین، امن اور سکون نہیں چاہتے تھے اور ان کی طرف سے یہ شرارتیں فتحِ مکہ تک چلتی رہیں جس کے نتیجے میں کئی چھوٹی بڑی جنگیں بھی ہوئیں اور پھر فتح آخر حق کی ہوئی۔

شعبِ ابی طالب میں محصوری:

اعلانِ نبوت کے ساتویں سال قریشِ مکہ کی طرف سے نبی کریم ﷺ اور ان کے اپنے قبیلے بنو ہاشم کے خلاف کفارِ مکہ کی طرف سے ایک معاشی و معاشرتی مقاطعہ کیا گیا تھا۔ اس مقاطعہ کے دوران حضور ﷺ اپنے اصحاب اور قبیلہ بنو ہاشم کے افراد کے ہمراہ تین سال تک شعب ابی طالب میں ہی محصور رہے تھے۔

پسِ منظر:

نبی کریم ﷺ کی دعوت و تبلیغ کے نتیجے میں بہت سے لوگ اسلام کی طرف مائل ہوئے اور ان کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا، کفارِ مکہ سے یہ بات برداشت نہیں ہوئی اور انہوں نے ظلم و ستم شروع کر دیا لیکن ان کے ظلم وستم کے باوجود بھی وہ حضرات اسلام سے نہیں پھرے، پھر اسی دوران بعض اصحاب نے ہجرت فرمائی جس سے کفارِ مکہ کے تن بدن میں مزید آگ لگ گئی، پھر ان کا ایک گروہ نجاشی کے دربار تک گیا تاکہ وہاں مسلمانوں کو ذلیل و رسوا کر سکے لیکن ذلالت و رسوائی ایک مرتبہ پھر کفارِ مکہ کا مقدر بنی، پھر اس پر مستزاد یہ کہ حضرت حمزہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما جیسی شخصیات حلقہ اسلام میں داخل ہوگئیں۔ اسلام کی روز افزوں ترقی اب کفارِ مکہ سے مزید برداشت نہ ہوئی۔

باطل طاقتوں اور قوتوں نے جب دیکھا کہ حق کی صدا بلند سے بلند تر ہوتی جا رہی ہے اور ان کے پرانے سارے حربے (ظلم وستم اور الزام تراشی وغیرہ) ناکام ہو چکے ہیں تو ان کی دشمنی مزید کھل کر سامنے آئی اور انہوں نے باقاعدہ یہ اعلان کر دیا کہ نبی کریم ﷺ کو ہمارے حوالے کیا جائے ہم انہیں قتل کر دیں گے کیونکہ انہوں نے ہمارے لوگوں کو خراب کر دیا ہے (یعنی انہیں ان کے آباء و اجداد کے دین سے پھیر دیا ہے) اور وہ ساتھ یہ بھی چاہتے تھے کہ حضور کو کوئی غیر قریشی قتل کر دے تاکہ ان کا دامن صاف رہے یہاں تک کہ وہ حضور کے قبیلہ بنو ہاشم کو دوگنا خون بہا (یعنی قصاص) ادا کرنے پر بھی راضی تھے۔ (سبل الھدی والرشاد فی سیرۃ خیر العباد: ۲/۳۷۷)

حضرت ابو طالب نے جب یہ معاملہ دیکھا تو انہوں نے اپنی قوم کو ساتھ ملایا اور ان سب نے مل کر یہ عہد کیا کہ ہم حضور ﷺ کو ان کے حوالے نہیں کریں گے اور وہ یوں سب حضور ﷺ کی مدد کرنے کے لیے آمادہ ہوگئے اور شعبِ ابی طالب میں جمع

ہوگئے۔ جب کفار نے دیکھا کہ حضور ﷺ کے اصحاب کے ساتھ ساتھ ان کی پوری قوم بھی ان کے ساتھ مل گئی ہے اور وہ انہیں قتل نہیں کرنے دیں گے تو انہوں نے ایک مرتبہ پھر اپنا طریقہ واردات بدلا اور اس مرتبہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کے خلاف ایک معاشی و معاشرتی مقاطعہ کا پلان بنایا اور صرف حضور ﷺ کے خلاف ہی نہیں بلکہ جو جو آپ کے ساتھ کسی بھی طرح کا تعاون کر رہے تھے یعنی آپ کے جاں نثار اصحاب اور قبیلہ بنو ہاشم کے افراد ان سب کے خلاف کفارِ مکہ نے آپس میں ایک معاہدہ کیا جو کچھ اس طرح تھا:

أَنْ لَا يُنْكِحُوا إِلَيْهِمْ وَلَا يُنْكَحُوهُمْ، وَلَا يَبِيعُوهُمْ شَيْئًا، وَلَا يَبْتَاعُوا مِنْهُمْ. فَلَمَّا اجْتَمَعُوا لِذَلِكَ كَتَبُوهُ فِي صَحِيفَةٍ، ثُمَّ تَعَاهَدُوا وَتَوَاثَقُوا عَلَى ذَلِكَ، ثُمَّ عَلَّقُوا الصَّحِيفَةَ فِي جَوْفِ الْكَعْبَةِ.

(سیرۃ ابن ھشام ت السقا: ۱/ ۳۵۰)

ترجمہ: کہ وہ نہ انہیں نکاح کے لیے رشتہ دیں گے اور نہ ان سے نکاح کے لیے رشتہ لیں گے، نہ انہیں کوئی چیز بیچیں گے اور نہ ان سے خریدیں گے۔ جب وہ ان باتوں پر متفق ہوگئے تو پھر انہوں نے اسے ایک کاغذ میں لکھا اور اس پر عمل در آمد کا وعدہ کیا اور اسے کعبہ شریف کے اندر لٹکا دیا۔

سیرت ابنِ کثیر میں ان الفاظ کا بھی اضافہ ہے:

أَلَا يُجَالِسُوهُمْ وَلَا يُبَايِعُوهُمْ وَلَا يَدْخُلُوا بُيُوتَهُمْ حَتَّى يُسَلِّمُوا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْقَتْلِ. لَا يقبلوا من بنى هَاشم صلحا أبدا، وَلَا تَأْخُذُهُمْ بِهِمْ رَأْفَةٌ حَتَّى يُسْلِمُوهُ لِلْقَتْلِ. (السيرة النبوية لابن كثير: ۲/ ۴۴)

ترجمہ: (کفار نے یہ طے کیا کہ) وہ ان لوگوں کے ساتھ نشست نہیں رکھیں گے، نہ ان کے ساتھ کوئی خرید و فروخت کا معاملہ کریں گے اور نہ ہی ان کے گھروں میں قدم رکھیں گے جب تک وہ حضور ﷺ کو قتل کرنے کے لیے ان کے حوالے نہ کر دیں۔ اور بنو ہاشم کے ساتھ ہرگز صلح نہ کریں گے اور نہ ان پر ترس کھائیں گے یہاں تک کہ وہ حضور ﷺ کے قتل کے لیے ان کے حوالے نہ کر دیں۔

قریش کا یہ ظالمانہ اور سنگدلانہ معاہدہ جس نے مکہ کے امن و امان کو پارہ پارہ کر دیا تھا کوئی دو چار مہینے نہیں بلکہ مکمل تین سال تک چلا۔ اس دوران شعبِ ابی طالب کے پناہ گزینوں نے کس انداز سے زندگی گزاری اس کی الگ تفصیل ہے۔ بھوک، پیاس، غم اور طرح طرح کی تکالیف اس وادی میں بھٹکتی پھرتی تھیں یہاں تک بچوں کے رونے کی آوازیں حرمِ پاک کے در و دیوار سے ٹکراتی تھیں لیکن ان ظالموں کو بالکل رحم نہ آتا۔ اگر کوئی ان کی مدد کی خاطر کچھ کھانا پینا ان تک پہنچانا چاہتا تو وہ اسے بھی روک دیتے اور اگر کوئی تاجر ان کی طرف جاتا تو اسے بھی ورغلاتے اور دوگنی قیمت میں اس سے سودا حاصل کر لیتے لیکن شعبِ ابی طالب کے پناہ گزینوں کو تھوڑا سا بھی فائدہ پہنچے یہ انہیں بالکل گوارا نہیں تھا۔

نبی کریم ﷺ کی پر امن جدوجہد:

بنو ہاشم شعبِ ابی طالب میں پناہ گزیں کیوں ہوئے؟ اور قریش نے ان کا معاشی و معاشرتی بائیکاٹ کس لیے کیا اور اس ظالمانہ بائیکاٹ کے وقت حضور ﷺ کے اصحاب اور آپ کے قبیلے والے کس طرح آپ کے ساتھ جڑے رہے یہ سب آپ نے جان لیا۔ اب آپ خود دیکھ لیجیے کہ وہ اصحاب جو حضور ﷺ کی خاطر اتنی پریشانیاں برداشت کر رہے ہیں اور ہر روز جی رہے ہیں ہر روز مر رہے ہیں، کیا وہ حضور ﷺ کے ایک حکم پر اپنی جانیں داؤ پر لگا کر کسی بھی طرح ان پر حملہ آور نہیں ہو سکتے تھے؟ اگر ایک طرف اِن کا اتنا نقصان ہو رہا ہے تو کیا وہ اس کے مقابلے میں اُن کفار کو دس فیصد نقصان بھی نہیں پہنچا سکتے تھے؟ کیا وہ خود پر ہونے والے مظالم کا کسی بھی طرح

بدلہ نہیں لے سکتے تھے؟ کیا وہ کسی ایک بھی ظالم کی جان نہیں لے سکتے تھے؟ یقیناوہ بہت کچھ کر سکتے تھے؟ اور حضور ﷺ چاہتے تو آپ اپنے اصحاب کے ذریعے انہیں کسی نا کسی حد تک نقصان ضرور پہنچا دیتے لیکن قربان جائیں امن کے اس داعی پر کہ آپ نے ایک بھی حکم ایسا نہیں دیا جو انتقامی کاروائی کا جذبہ ابھارے یا جس سے معاشرے میں مسلمانوں کی طرف سے انتشار پھیلے۔

حضور ﷺ نے اپنا ساتھ دینے والوں کے ساتھ تین سال تک ایک گھاٹی میں محصور ہونا برداشت کر لیا، بھوک پیاس اور مختلف قسم کی تکالیف برداشت کر لیں لیکن مجال ہے کہ آپ نے ایک بھی حکم نامہ ایسا جاری کیا ہو جس سے معاشرے کے امن کو آپ کی وجہ سے نقصان پہنچے۔ اور پھر پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے کے مصداق قدرت نے آپ کی مدد فرمائی اور آپ کو کس انداز سے سرخرو فرمایا کہ ان سنگدل اور ظالموں کے ساتھیوں نے ہی ان کے خلاف آواز بلند کرنا شروع کر دی اور یوں آپ باطل کے آگے پسپا ہوئے بغیر اور معاشرے کے امن کو اپنی جانب سے نقصان پہنچائے بغیر ہی سرخرو ہو کر شعبِ ابی طالب سے باہر تشریف لے آئے۔

سفر طائف:

تبلیغِ اسلام کی خاطر طائف کی طرف کیا جانے والا سفر مخالفین کے ظلم کی اور آقا ﷺ کے صبر کی ایسی داستاں ہے جسے سن کر امتی کا دل خون کے آنسو روتا ہے اور اس کا دل نبی ﷺ کی عظمت کا مزید قائل ہو جاتا ہے۔ طائف کی وادی میں آقا ﷺ کو جس انداز سے ستایا گیا اور پھر اس کے جواب میں نبی کریم ﷺ نے جو انداز اختیار کیا اس سے واضح ہو جاتا ہے آپ ﷺ واقعی رحمۃ اللعالمین، محسنِ انسانیت اور امنِ عالم کے پیامبر اور داعی تھے۔

پسِ منظر:

شعبِ ابی طالب سے باہر آنے کے کچھ عرصہ بعد نبی کریم ﷺ کے عمِ محترم جناب ابو طالب کی وفات ہوگئی اور پھر کچھ ہی عرصہ بعد آپ کی دست و بازو زوجہ محترمہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی انتقال کر گئیں۔ تو یوں ایک ہی برس میں آپ کی دو انتہائی قریبی اور وفادار شخصیات آپ سے جدا ہو گئیں اور ایمان لانے کے معاملے میں اہلِ مکہ سے بھی آپ مایوس ہو چکے تھے جس کی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے مکہ کو الوداع کہہ کر اس نیت سے طائف کا رخ کیا کہ شاید وہ ایمان لے آئیں اور اسلام کے مشن کو لے کر آگے بڑھیں۔

طائف میں قبیلہ بنو ثقیف آباد تھا، اور بنو ثقیف کے سب سے طاقتور اور چوٹی کے سردار تین تھے جن کا تعلق عمرو خاندان سے تھا۔ عبد یالیل بن عمرو، مسعود بن عمرو اور حبیب بن عمرو۔ نبی کریم ﷺ جب ان تینوں کے پاس اسلام کی دعوت لے کر پہنچے تو وہ تینوں نہایت ہی برے انداز سے آپ سے پیش آئے۔

ان میں ایک کہتا ہے:

هو يمرط ثياب الكعبة إن كان الله أرسلك

ترجمہ: اگر آپ اللہ نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے تو گویا میں نے غلاف کعبہ کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔

دوسرے نے اپنے خبثِ باطنی کا اظہار کچھ یوں کیا:

أما وجد الله أحد يرسله غيرك

ترجمہ: کیا تمہارے سوا اللہ کو اور کوئی نہیں ملا جسے وہ رسول بنا کر مبعوث کرتا۔

اور تیسرے نے کہا:

والله لا أكلّمك أبدا، لئن كنت رسول من الله كما تقول لأنت أعظم خطرا من أن أردّ عليك الكلام، ولئن كنت تكذب على الله ما ينبغي لي أن أكلمك

ترجمہ: خدا کی قسم: میں آپ سے ہر گز بات نہیں کروں گا اگر آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں جیسا کہ آپ کہتے ہیں تو پھر آپ کی شان

بڑی بلند ہے مجھ میں یہ طاقت نہیں کہ میں آپ کے کلام کا جواب دوں۔ اور اگر آپ (معاذ اللہ) جھوٹے ہیں تو مجھے زیب نہیں دیتا کہ میں آپ کے ساتھ بات کروں۔

ان ظالموں اور بدبختوں نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ وہ حضور ﷺ سے کہنے لگے کہ ہمارے شہر سے فورا نکل جاؤ۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم اپنی باتوں سے ہمارے جوانوں کو بگاڑ دو۔ پھر یہاں بھی ان کی سرکشی نہیں رکی اور انہوں نے پیارے آقا ﷺ کی شان میں گستاخی در گستاخی کرنے کے بعد اب شہر کے اوباش لڑکوں کو نبی کریم ﷺ کے پیچھے لگا دیا۔ وہ نبی کریم ﷺ کے پیچھے آوازیں کستے، (معاذ اللہ) گالیاں بکتے، اپنے بتوں کے نعرے لگاتے یہاں تک کیا کہ آقا کریم ﷺ جس راستے سے گزر رہے تھے وہاں یہ بیٹھ گئے اور انہوں نے آپ پر پتھر مارنا شروع کر دیے، جو پاؤں آپ زمین پر رکھتے وہ نشانہ بنا کر اسی پر پتھر مارتے یہاں تک کہ آپ کے پاؤں زخمی ہوگئے اور ان سے خون بہنا شروع ہو گیا۔ (سبل الهدى والرشاد في سيرة خير العباد: ۴۳۸/۲)

نبی کریم ﷺ کی صدائے امن:

طائف میں پیش آنے والے واقعہ کا مکمل حال آپ نے ملاحظہ کیا اور وہ وقت کس قدر سخت تھا اس کا اندازہ اس دعا سے کیا جا سکتا ہے جو نبی کریم ﷺ نے یہ واقعہ پیش آنے کے بعد عتبہ کے باغ میں بیٹھ کر فرمائی تھی۔ اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک مرتبہ پوچھا کہ کیا آپ پر احد کے دن سے زیادہ بھی کوئی سخت دن گزرا ہے؟ تو آپ نے فرمایا:

لَقَدْ لَقِيتُ مِنْ قَوْمِكِ مَا لَقِيتُ وَكَانَ أَشَدَّ مَا لَقِيتُ مِنْهُمْ يَوْمَ الْعَقَبَةِ إِذْ عَرَضْتُ نَفْسِي عَلَى ابْنِ عَبْدِ يَالِيلَ بْنِ عَبْدِ كُلَالٍ فَلَمْ يُجِبْنِي إِلَى مَا أَرَدْتُ فَانْطَلَقْتُ وَأَنَا مَهْمُومٌ عَلَى وَجْهِي۔

یعنی تیری قوم کے ہاتھوں جو تکلیفیں مجھے یوم العقبہ کو پہنچیں وہ بہت زیادہ سخت تھیں یعنی جس روز میں نے بنی ثقیف کے سرداروں عبد یالیل وغیرہ کو دعوت دی اور انہوں نے جو سلوک میرے ساتھ روا رکھا وہ بڑا تکلیف دہ تھا۔ میں اس دن سخت پریشان اور غمگین تھا۔

اندازہ کیجیے کہ وہ دن کس قدر سخت ہوگا کہ ہجرت کے بعد بھی نبی کریم ﷺ اس کو بھلا نہ پائے اور اسے اپنی زندگی کا سب سے تکلیف دہ دن قرار دیا۔

آپ مزید فرماتے ہیں کہ:

فَلَمْ أَسْتَفِقْ إِلَّا وَأَنَا بِقَرْنِ الثَّعَالِبِ فَرَفَعْتُ رَأْسِي فَإِذَا أَنَا بِسَحَابَةٍ قَدْ أَظَلَّتْنِي فَنَظَرْتُ فَإِذَا فِيهَا جِبْرِيلُ فَنَادَانِي فَقَالَ: إِنَّ اللهَ قَدْ سَمِعَ قَوْلَ قَوْمِكَ لَكَ وَمَا رَدُّوا عَلَيْكَ وَقَدْ بَعَثَ إِلَيْكَ مَلَكَ الْجِبَالِ لِتَأْمُرَهُ بِمَا شِئْتَ فِيهِمْ فَنَادَانِي مَلَكُ الْجِبَالِ فَسَلَّمَ عَلَيَّ ثُمَّ قَالَ: يَا مُحَمَّدُ فَقَالَ: ذَلِكَ فِيمَا شِئْتَ إِنْ شِئْتَ أَنْ أُطْبِقَ عَلَيْهِمُ الْأَخْشَبَيْنِ؟ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: بَلْ أَرْجُو أَنْ يُخْرِجَ اللهُ مِنْ أَصْلَابِهِمْ مَنْ يَعْبُدُ اللهَ وَحْدَهُ لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا۔ (صحيح البخاري: ۴/ ۱۱۵)

یعنی میں کھویا ہوا چلتا رہا جب میں قرنِ ثعلب کے مقام پر پہنچا تو مجھے پتہ چلا کہ میں یہاں پہنچ گیا ہوں، میں نے اچانک سر اوپر اٹھایا تو میں نے دیکھا کہ ایک بادل کا ٹکڑا مجھ پر سایہ کئے ہوئے ہے پھر میں نے غور سے دیکھا تو حضرت جبرئیل مجھے وہاں دکھائی دیے انہوں نے بلند آواز سے مجھے پکارا اور کہا۔ اللہ تعالی نے وہ تمام گفتگو سن لی ہے جو آپ کی قوم نے آپ سے کی ہے اور جو سخت جواب انہوں نے آپ کو دیا ہے۔ اللہ تعالی نے پہاڑوں کے فرشتہ کو آپ کی خدمت میں بھیجا ہے آپ جو حکم اسے دیں گے وہ بجا لائے گا۔ پہاڑوں کے فرشتہ نے آگے بڑھ کر سلام عرض کیا پھر گزارش

کی کہ اگر آپ حکم فرمائیں تو دونوں پہاڑوں کو آپس میں ملا دوں۔ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: نہیں، بلکہ میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالی ان کی پشتوں سے ایسی اولاد پیدا کرے گا جو اللہ تعالی کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔

نبی کریم ﷺ کے ان کلمات سے اندازہ کیجیے کہ آپ کس قدر رحم دل تھے اور امن آپ کو کس قدر پسند تھا، آپ ہرگز نہیں چاہتے تھے کہ دو پہاڑوں کو ملا کر طائف کی اس وادی کو اور اس پورے معاشرے کو تباہ و برباد اور نیست و نابود کر کے صفحہ ہستی سے مٹا دیا جائے۔ حالانکہ آپ کے پاس مکمل اختیار تھا، حالانکہ آپ ان کے رویے سے بے حد رنجیدہ تھے، حالانکہ آپ زخموں سے چور تھے آپ چاہتے تو آن کی آن میں بنو ثقیف کا وہ مالدار اور مغرور معاشرہ مٹ جاتا لیکن آپ تو اسلام کا پیغام لائے تھے اور اسلام تو ہے ہی سراسر سلامتی۔ آپ کو تو ان کے ایمان کی فکر تھی اور ایمان کا تو مطلب ہی امن ہے، اسی لیے آپ نے فرمایا کہ مجھے امید ہے ان کی آئندہ نسلیں صرف اللہ کو پکاریں گی اور یوں آپ نے صبر، تحمل، برداشت، بردباری اور دعائے امن و سلامتی سے اس معاشرے کو یہ موقع دیا کہ وہ اللہ سے رجوع کریں۔

حرفِ آخر:

مکی زندگی میں بعثت کے بعد پیارے آقا ﷺ کے لیے حالات بہت زیادہ کٹھن تھے لیکن آپ نہ ہی اپنے مشن سے پیچھے ہٹے اور نہ ہی آپ نے صبر و ضبط کا دامن ہاتھ سے چھوڑا۔ از ابتدا تا انتہا آپ نے نہایت ہی امن و سکون کے ساتھ دعوت کا کام جاری رکھا۔ بہت زیادہ ظلم و ستم کے باوجود بھی آپ نے اپنے اور اپنے جانثاروں کی طرف سے معاشرے میں امن کا تناسب برقرار رکھا اور کسی قسم کی کوئی مزاحمت نہ فرمائی یہاں تک کہ آپ نے ہجرت فرمالی۔ مدینے کے معاشرے میں بھی آپ نے اپنی جانب سے ہر ممکن کوشش کی کہ یہاں امن و سکون برقرار رہے لیکن کفار کی شر انگیزیاں ہجرت کے بعد بھی نہ رکیں جس کے نتیجے میں پھر انہیں اسلامی ریاست کی جانب سے مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا اور ہر بار شکست سے بھی دوچار ہونا پڑا۔

بقیہ فکر و نظر:

بڑی پریشانی آپ کے بڑے ہونے کی دلیل ہے۔ اللہ پاک کے پیارے حبیب اور ہماری جانوں کے مالک نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر سب سے زیادہ پریشانیاں آئیں۔ کیونکہ وہ سب سے زیادہ بڑے تھے۔

۴۔ موجودہ میسر وسائل پر شکر اور ان کو بہترین انداز میں استعمال کیا جائے۔ اکثر لوگ مواقع اور وسائل کی عدم دستیابی کا رونا روتے ہیں حالانکہ وہ موجودہ وسائل کو صحیح انداز سے استعمال کر کے بھی بہت کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔ نئے مواقع کی تمنا اور ان کے لیے جستجو کرنا اچھی بات ہے لیکن جو شخص موجود کی قدر نہیں کرتا وہ آنے والے مواقع سے بھی خاطر خواہ فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ کسی نے کیا خوب کہا کہ کامیاب لوگ موقعوں کی تلاش میں نہیں رہتے وہ اپنے لیے موقعے بناتے ہیں۔

۵۔ صحبت انسان کی زندگی میں بہت اہمیت کی حامل ہے۔ انسان اپنی صحبت سے پہچانا جاتا ہے۔ انسان کی صحبت، اسکی ذات، سوچ اور اسکے فیصلوں غیر معمولی اثرات مرتب کرتی ہے۔ مثبت سوچ پیدا کرنے کا ایک بہترین ذریعہ مثبت سوچ والوں کی صحبت میں بیٹھنا بھی ہے۔ وہ اشخاص جو ہر وقت پریشانیوں کا رونا روتے رہتے ہوں، مایوسی کی باتیں کرتے رہتے ہوں، جن کی زبانیں ہر وقت ناشکری میں مشغول رہتی ہیں، ان کی صحبت میں بیٹھنے سے مکمل گریز کیا جائے۔

تنقیحات

”جنس“ فقہاء کی نظر میں

غلام رضا قادری

کسی بھی فن کو سمجھنے کے لیے اس کی اصطلاحات کا جاننا بہت ضروری ہے کیونکہ فن کے مسائل کا ایک بڑا اور اہم حصہ اصطلاحات کی صورت میں بیان کیا جاتا ہے نیز کسی فن کے مختلف مدونین اور مصنفین اظہار بیان کے لیے اپنی اپنی اصطلاحات استعمال کرتے ہیں تو جسے ان اصطلاحات کی معرفت ہوگی وہی ان کو سمجھ سکے گا۔

علم فقہ ایک وسیع اور دقیق فن ہے اور اس فن میں دیگر فنون کے مقابلے میں اصطلاحات اور رموز کا عمل دخل زیادہ ہے، اس فن کے مصنفین بکثرت ہیں اور ان کا انداز بیان عموما اصطلاحات اور رموز سے خالی نہیں ہوتا نیز فقہ و فتویٰ کا اہم ترین باب راجح اور مرجوح کی معرفت ہے اور یہ باب بغیر اصطلاحات و رموز جانے سمجھ آہی نہیں سکتا اس لیے فقہ پڑھنے والے پر فقہی اصطلاحات کو جاننا نہایت ضروری ہے۔ خیال رہے کہ فقہ کی بعض اصطلاحات ایسی ہیں جو دیگر فنون میں بھی استعمال ہوتی ہیں لیکن فقہی کتب میں انہیں دوسرے معانی میں استعمال کیا جاتا ہے انہی اصطلاحات میں سے ایک اصطلاح ”جنس“ ہے ذیل میں اس کی فقہی تعریف اور اس کے متعلق چند فقہی مباحث کو ذکر کیا جائے گا۔

جنس کی تعریف

جنس کی تعریف کو بعض فقہا نے علی الاختلاف بیان کیا ہے جیساکہ امام زین ابن نجیم مصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے ائمہ ثلاثہ کے اقوال کے مطابق جنس کی تعریف کچھ یوں کی ہے؛

امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک جنس کی تعریف:

هو المقول على متحدي الصورة والمعنى

یعنی جنس وہ ہے جو ایسے افراد پر بولی جاتی ہو جو صورت اور معنی میں متحد ہوں۔

امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک جنس کی تعریف:

المقول على كثيرين مختلفين بالأحكام

یعنی جنس وہ ہے جو ایسے کثیر افراد پر بولی جائے جو احکام میں مختلف ہوں۔

امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک جنس کی تعریف:

المختلفين بالمقاصد

یعنی جنس وہ ہے جو ایسے کثیر افراد پر بولی جائے جن کے مقاصد مختلف ہوں۔

(بحر الرائق، باب المهر، جلد:۳، صفحہ:۲۹۲،۲۹۱، مطبوعہ کوئٹہ)

بعض فقہاء کرام نے بغیر اختلاف ذکر کیے جنس کی تعریف بیان کی لیکن ان میں سے بعض کی تعریف بعض سے قدرے مختلف ہے چنانچہ امام علاء الدین حصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ جنس کی تعریف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”هو عند الفقهاء المقول على كثيرين مختلفين بالأحكام“

(رد المحتار علی در مختار، جلد:۴، صفحہ:۲۶۰، مطبوعہ کوئٹہ)

یہ تعریف مذکورہ بالا اقوال میں سے امام ابو یوسف کے قول کے مطابق ہے۔

علامہ سید احمد حموی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس تعریف پر اضافہ کرتے ہوئے فرمایا:

”والجنس عند الفقهاء كلي مقول على افراد

مختلفه من حيث المقاصد و الأحكام ''

یعنی جنس ایسی کلی ہے جو ایسے مختلف افراد پر بولی جائے جو مقاصد اور احکام کے اعتبار سے مختلف ہوں۔

(غمز عیون البصائر، جلد:۱صفحہ:۱۷۱، مطبوعہ ادارۃ القرآن)

یہ تعریف امام ابو یوسف اور امام محمد کے اقوال کا مجموعہ ہے۔

جنس فقہی سے متعلق جزئیات پر غور کیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے مذکورہ تینوں اختلافی تعریفات فقہاء کے ہاں مستعمل ہیں اور ان تعریفات میں مذکور امور کے علاوہ بھی کچھ اور عوامل تعیین جنس میں استعمال ہوتے ہیں آگے ان کی تفصیل ذکر کی جائے گی۔

تعیین جنس کے اصول:

دو اشیاء شرعی طور پر ایک جنس ہیں یا مختلف جنس! اس بات کی تعیین کے لیے فقہاء کرام نے کچھ اصول ذکر کیے ہیں۔

۱۔ اشیاء کی جنس کا اعتبار ان کی اصل سے کیا جائے گا مثلاً مختلف حلال جانوروں کے گوشت کے ہم جنس ہونے یا نہ ہونے کا مدار ان کی اصل پر ہے، گائے اور بھینس کا گوشت ایک جنس ہے اور ان کو باہم برابر ہی بیچنا جائز ہے کیونکہ ان کی اصل یعنی بذات خود گائے اور بھینس ایک جنس ہیں اسی لیے نصاب زکوۃ کے معاملے میں دونوں کو ایک شمار کیا جاتا ہے۔

۲۔ بسا اوقات دو اشیاء کی اصل ایک ہی ہوتی ہے لیکن ان کا مقصود اور استعمال مختلف ہوتا ہے اس وجہ سے وہ دونوں اشیاء الگ جنس قرار پاتی ہیں جیسے بکری کے بال اور دنبے کی اون الگ الگ جنسیں ہیں اس لیے ان کو باہم کمی زیادتی کے ساتھ بیچنا جائز ہے اگرچہ ان کی اصل یعنی بکری اور دنبہ ایک ہی جنس ہیں لیکن بکری کے بال اور دنبے کی اون مختلف مقاصد کے لیے استعمال کی جاتی ہیں اس لیے یہ مختلف اجناس ہیں۔

۳۔ بعض دفعہ دو چیزیں ایک ہی اصل سے تعلق رکھتی ہیں لیکن ان میں سے کسی چیز کو صناعی کے عمل سے گزار کر مختلف روپ دے دیا جاتا ہے اس وجہ سے بھی وہ شرعاً مختلف جنس شمار کی جاتی ہے مثلاً روٹی اور گندم الگ جنس ہیں اگرچہ روٹی کی اصل بھی گندم ہے لیکن پکانے کے عمل نے اسے مختلف جنس بنا دیا۔

۴۔ دو اشیاء کے نام مختلف ہونا اور نصوص میں ان کا جدا جدا تذکرہ بھی ان کی اجناس کے مختلف ہونے پر دلالت کرتا ہے مثلاً گندم اور جو کہ حدیث شریف میں دونوں کے لیے الگ اسماء یعنی حنطہ اور شعیر جدا جدا استعمال کیے گئے ہیں جو ان کے مختلف الجنس ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔

۵۔ بعض اشیاء ایسی ہیں جو مختلف الجنس بھی ہیں اور متحد الجنس بھی مثلاً درہم و دینار کہ یہ ربا کے باب میں مختلف جنس ہیں اس لیے ان کو باہم کمی زیادتی کے ساتھ نقداً بیچنا جائز ہے۔ لیکن ربا کے علاوہ دیگر ابواب میں انہیں ایک جنس شمار کیا گیا جیسا کہ زکوۃ کے باب میں انہیں ایک جنس قرار دیا گیا اسی وجہ سے اگر ان میں سے ہر ایک نصاب سے کم ہو تو اسے دوسرے کے ساتھ ملا کر نصاب پورا کیا جاتا ہے۔

مذکورہ بالا اصولوں کے فقہی جزئیات:

کنز اور بحر میں مختلف جانوروں کے باہم بیچنے سے متعلق ہے:

''(واللحوم المختلفة بعضها ببعض متفاضلا ، ولبن البقر والغنم) لأن أصولها أجناس مختلفة حتى لا يضم بعضها إلى بعض في الزكاة ، وأسماؤها أيضا مختلفة باعتبار الإضافة. والمقصود أيضا يختلف۔۔۔قيد بالمختلفة لأن غيرها لا يجوز متفاضلا كلحم البقر والجاموس أو لبنهما أو لحم المعز والضأن أو لبنهما أو لحم العراب ، والبخاتي لاتحاد الجنس بدليل الضم في الزكاة للتكميل فكذاأجزاؤهما ما لم يختلف المقصود كشعر المعز ، وصوف الضأن أو ما يتبدل

بالصنعة لاختلاف المقاصد ، ولذا جاز بيع الخبز بالحنطة متفاضلاوالحاصل أن ما يوجب اختلاف الأمور ثلاثة اختلاف الأصول ، واختلاف المقاصد ، وزيادة الصنعة "

یعنی مختلف (جانوروں) کے گوشت باہم زیادتی کے ساتھ بیچنا جائز ہے اور گائے اور بکری کے دودھ کو (باہم زیادتی کے ساتھ بیچنا جائز ہے) اس لیے کہ ان کے اصول مختلف ہیں اور اضافت کے اعتبار سے ان کے نام بھی مختلف ہیں (یعنی گوشت کی اضافت گائے اور بکری کی طرف ہونے سے نام مختلف ہوجاتا ہے کہ اسے گائے کا گوشت یا بکرے کا گوشت کہا جاتا ہے) نیز ان کے مقصود بھی مختلف ہیں۔ ماتن نے مختلف کی قید اس لیے لگائی کہ ان کے سوا گوشت زیادتی کے ساتھ بیچنا جائز نہیں ہے مثلاً گائے اور بھینس کا گوشت یا دودھ باہم کمی زیادتی کے ساتھ بیچنا یا بکری اور بھیڑ کا گوشت یا دودھ باہم بیچنا جائز نہیں یا عربی اور بختی اونٹ کا گوشت اور دودھ باہم بیچنا جائز نہیں ہے کیونکہ ان کی (اصل کی) جنس ایک ہی ہے اسی وجہ نصاب زکوۃ میں انہیں ملایا جاتا ہے تو ان کے اجزاء کا بھی یہی حکم ہوگا جب تک ان کا مقصد مختلف نہ ہوجائے مثلاً بکرے کے بال اور مینڈھے کی اون یا اجزاء میں سے کوئی صنعت کے ذریعے تبدیل ہوجائے کیونکہ مقصد تبدیل ہوگیا اسی وجہ سے روٹی کو گندم کے عوض زیادتی کے ساتھ بیچنا جائز ہے۔ اور خلاصہ یہ کہ اختلاف جنس تین چیزوں سے پیدا ہوگا اصل کا اختلاف، مقصد کا اختلاف اور صنعت کی زیادتی۔

(بحر الرائق، جلد:۶، صفحہ:۲۲۴، ۲۲۳، مطبوعہ کوئٹہ)

بحر الرائق میں ہے:

"اختلاف الجنس يعرف باختلاف الاسم الخاص واختلاف المقصود فالحنطة والشعير جنسان عندنا لأن إفراد كل منهما في الحديث يدل على ذلك "

یعنی جنس کا اختلاف خاص نام اور مقصد کے اختلاف کی وجہ سے جانا جائے گا تو گندم اور جو الگ الگ جنس ہیں کیونکہ حدیث میں ان کا تذکرہ الگ الگ ہے۔ (بحر الرائق، جلد:۶، صفحہ:۲۱۱، مطبوعہ کوئٹہ)

بہار شریعت میں ہے:

دونوں چیزوں کا ایک نام اور ایک کام ہو تو ایک جنس سمجھیے اور نام و مقصد میں اختلاف ہو تو دو جنس جانیے۔

(بہار شریعت، جلد:۲ صفحہ:۷۶۹، مطبوعہ مکتبۃ المدینہ)

منحۃ الخالق میں ہے:

"وقد ذكر في شرح الجامع الصغير في باب المساومة أن الدراهم والدنانير جنسان مختلفان قياسا في حق حكم الربا حتى جاز بيع أحدهما بالآخر متفاضلا وفيما عدا حكم الربا جعلا جنسا واحدا استحسانا حتى يكمل نصاب أحدهما بالآخر "

یعنی شرح جامع صغیر میں باب المساومہ میں ذکر کیا گیا کہ کہ درہم و دینار ربا کے حکم میں قیاساً الگ جنس ہیں اسی لیے انہیں باہم کمی زیادتی کے ساتھ بیچنا جائز ہے اور ربا کے علاوہ میں استحساناً ایک جنس ہیں اسی لیے زکوۃ کے باب میں ان میں سے ایک کا نصاب دوسرے کو ملا کر مکمل کیا جاتا ہے۔

(منحۃ الخالق علی البحر، جلد:۷، صفحہ:۲۶۹، مطبوعہ کوئٹہ)

بعض متجانس وغیر متجانس اشیاء کا بیان

حیوانات:

گائے بھینس ایک ہی جنس ہیں لہذا ان کا گوشت باہم کمی زیادتی کے ساتھ بیچنا جائز نہیں ہے یونہی بکرا مینڈھا دنبہ اور بھیڑ کا حکم ہے۔

ایک ہی جانور کے وہ اجزاء جو مختلف مقاصد میں استعمال

ہوتے ہوں الگ جنس ہیں مثلا دنبے کی چکی اور اس کا گوشت الگ الگ جنس ہیں اسی طرح چکی اور پیٹ کی چربی الگ جنس ہیں۔

کپڑے:

مختلف کپڑے جن کی بناوٹ اور نام مختلف ہوں وہ الگ الگ جنس ہیں مثلا ململ، لٹھا بوسکی وغیرہ الگ الگ اجناس ہیں۔

دھاتیں:

مختلف قسم کی دھاتیں مثلا لوہا تانبا سیسا الگ الگ جنسیں ہیں۔ ایک ہی دھات کے برتن اگر صناعی میں مختلف ہوں تو وہ الگ جنس ہیں۔

مطعومات:

کھجور کی تمام اقسام ایک ہی جنس ہیں لہذا انہیں باہم کمی زیادتی کے ساتھ بیچنا جائز نہیں ہے۔

مذکورہ بالا کے فقہی جزئیات

محیط برہانی میں ہے:

"والإلية واللحم جنسان يجوز بيع أحدهما بالآخر متفاضلاً، وكذلك الإلية وشحم البطن جنسان"

یعنی چکی اور گوشت دو جنس ہیں ان کو آپس میں زیادتی کے ساتھ بیچنا جائز ہے اور اسی طرح چکی اور پیٹ کی چربی بھی دو جنس ہیں۔ (المحیط البرہانی، جلد:۷، صفحہ:۳۱۳، مطبوعہ کوئٹہ)

بہار شریعت میں ہے:

"کپڑے کی قسمیں ململ، لٹھا، گبرون، چھینٹ۔ یہ سب اجناس مختلف ہیں، کھجور کی سب قسمیں ایک جنس ہیں۔ لوہا، سیسہ، تانبا، پیتل مختلف جنسیں ہیں۔ اُون اور ریشم اور سوت مختلف اجناس ہیں۔ گائے کا گوشت، بھیڑ اور بکری کا گوشت، دُنبہ کی چکی، پیٹ کی چربی، یہ سب اجناس مختلفہ ہیں۔"

(بہار شریعت، جلد:۲ صفحہ:۷۶۹، مطبوعہ مکتبہ المدینہ)

مجلۃ الاحکام میں ہے:

"الأواني المختلفة بحسب اختلاف الصنعة ولو كانت مصنوعة من جنس معدن واحد تعد مختلفة الجنس"

یعنی مختلف برتن اگرچہ ایک ہی جنس کی معدن سے بنے ہوں لیکن صناعی کے اعتبار سے مختلف ہوں تو انہیں الگ الگ جنس شمار کیا جائے گا۔ (مجلۃ الاحکام العدلیۃ، جز:۱ صفحہ:۲۱۹، مکتبہ شاملہ)

بقیہ سرگزشت: وہ مجھے دروازے تک چھوڑنے آتا اور حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتا رہتا گویا کہ وہ یوں کہہ رہا ہوتا تھا کہ "بابا ابھی تو آئے تھے ابھی پھر چلے گئے۔" یہ کیفیت دل پہ بڑی گراں گزرتی تھی، اللہ کا کرم شامل حال رہا اور یہ وقت بھی گزر گیا۔ پھر اللہ تبارک و تعالی نے بیٹی کی رحمت سے نوازا۔ اب یہ حال ہو گیا ہے کی اگر مدرسہ نہ جاؤں تو بچے کہتے ہیں بابا مدرسے نہیں جا رہے۔ میرے گھر والوں میں سب نے اپنے اپنے وقت کی میرے لیے قربانیاں دیں ہیں، اللہ اپنے فضل سے قبول فرمائے۔ اللہ کریم میری کمپنی والوں کا بھی بھلا کرے جو مجھے امتحانات میں چھٹیاں دے دیا کرتے تھے۔

یقینا لیلۃ الجائزہ سے لے کر بخاری تک بہت ساری کامیابیاں نصیب ہوئی ہیں، اس میں میرا کوئی کمال نہیں ہے بلکہ ان تمام کا سہرا میرے اساتذہ، میرے والدین، میرے گھر والوں کے سر ہے جن کی بدولت یہ ممکن ہو سکا ہے اور اسکے لیے اکثر یہ قضیہ کہا کرتا ہوں کہ:

یہ کمال اپنا نہیں ہے، پس پردہ کوئی اور ہے

یقینا بہت سی غلطیاں اور بے ادبیاں ہوئی ہونگیں۔ اللہ تعالی سے دعا ہے کہ اپنے حبیب کریم ﷺ کے صدقے میری خطاؤں کو معاف فرمائے، ہمارے ایمان کی سلامتی عطا فرمائے اور میرے جملہ اساتذہ، والدین اور گھر والوں کو اس کی خوب برکتیں نصیب فرمائے اور ان کے علم میں عمل میں عمر میں خوب برکتیں عطا فرمائے۔ مجھے اور میری اولاد کو عالم باعمل بنائے اور ہمیں دین کی خدمت کے لیے منتخب فرمالے۔ آمین بجاہ نبی الامین صلی اللہ علیہ وسلم

فقہ المالیات

ریاست مدینہ اور قرض کا لین دین

(دورِ رسالت و خلافت کی روشنی میں)

علامہ اصف اقبال مدنی

"ریاست مدینہ" کے الفاظ سنتے ہی ہمیں حضور ختمی مرتبت ﷺ کی مدنی زندگی کے وہ بابرکت دس سال یاد آجاتے ہیں جن میں آپ نے اللہ تعالیٰ کا عطاکردہ نظام حیات نافذ فرمایا اور یوں ایک طرف آپ کی ذات والا صفات ہر شخص کے لیے اسوہ حسنہ کی مثال بن گئی اور دوسری طرف آپ کی قائم کردہ ریاست آنے والی تمام ریاستوں کے لیے بہترین نمونہ قرار پائی ۔آپ کے بعد خلفائے راشدین نے اس ریاست کا دائرہ جزیرہ عرب سے نکال کر عرب وعجم کے وسیع علاقوں تک پھیلا دیا۔"ریاست مدینہ"بنیادی طور پر ایک نظریاتی ریاست ہے جس میں اقتدار اعلیٰ صرف رب العزت کا حق ہے اور حضور اکرم ﷺ اُسی کی طرف سے حاکم اعلیٰ بن کر مبعوث ہوئے اور اُس کے بندوں کے درمیان اُسی کے احکام نافذ فرمائے اور پھر آپ کی سیرت پر چلنے والے حکمرانوں نے یہی طریقہ اپناکر اسلامی ریاست کی بنیادوں کو مضبوط و مستحکم کیا۔

قرآن کریم اور رسول کریم ﷺ نے فرد کی ذاتی اصلاح سے لے کر لوگوں کی معاشرتی، اقتصادی اور معاملاتی اصلاح تک سب پر توجہ دی ہے حتی باہمی لین دین ،خرید وفروخت، قرض اور عاریت وغیرہ کے مکمل احکام بیان فرمائے اور ان معاملات میں جاری خرابیوں سے ریاست کو پورے طور پر پاک فرمایا۔قرض کا لین دین بھی زمانہ جاہلیت میں عام تھا مگر وہ بھی افراد وتفریط کا شکار تھا اور سود جیسی لعنت میں گرفتار تھا۔اسلام نے انسانی ضرورت کے تحت قرض کو نہ صرف باقی رکھا بلکہ اِس کی تحسین فرمائی مگر ظلم وستم کی بیناد بننے والے سود اور لوگوں کے اموال بلاعوض ہڑپنے والے سود خوروں کی بھرپور بیخ کنی فرمائی۔ صاف ارشاد فرمایا: اللہ نے خرید وفروخت کو حلال کیا اور سود کو حرام کیا۔(البقرۃ:۲۷۵)اے ایمان والو! اگر تم ایمان والے ہو تو اللہ سے ڈرو اور جو سود باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو پھر اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو اللہ اور اللہ کے رسول کی طرف سے جنگ کا اعلان سن لو۔(البقرۃ:۲۷۸۔۲۷۹)

اس دور میں دو طرح کا سود رائج تھا: (ا)سود مفرد(۲) سود مرکب۔پہلے کی صورت یہ ہوتی تھی کہ ایک شخص کسی مقررہ مدت کے لیے معین رقم قرض دیتا اور مدت گزرنے پر اصل رقم کے علاوہ معین رقم بطور سود وصول کرتا اور سود مرکب یہ ہوتا تھا کہ کوئی شخص کسی کو معین رقم مقررہ مدت کے لیے قرض دیتا اور ہر مہینے اس پر اضافی رقم وصول کرتا رہتا اور طے شدہ مدت پوری ہونے پر اصل رقم کا مطالبہ کرتا اگر سامنے والا ادا نہیں کرپاتا تو قرض دینے والا سود کی شرح میں اضافہ کردیتا۔ان دونوں قسموں کو قرآن کریم نے سورہ بقرہ کی آیت ۲۷۸ اور سورہ آل عمران کی آیت ۱۳۰ میں حرام قرار دیا۔

آج پوری دنیا میں سودی نظام رائج ہے اور بدنصیبی یہ ہے کہ اسلامی ممالک بھی اس بدترین نظام میں جکڑے ہوئے ہیں اور آزادی کے اتنے سال گزرنے کے باوجود اسلام کے نام پر معرض وجود میں آنے والی ریاست وطن عزیز پاکستان بھی اس لعنت سے آج تک نہیں نکل سکا، بلکہ آئے روز نئے نئے سودی نظام ملک میں متعارف ہو رہے ہیں اور عوام کو قرض کی شکل میں سہولت دینے والا سرکاری وغیر سرکاری ہر پروگرام سود سے جوڑ دیا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ آج

ملک اور عوام کی حالت بجائے سنورنے کے بگڑتی چلی جارہی ہے کیونکہ شروفساد کے راستوں سے کبھی خیر وارد نہیں ہوسکتی۔ مگر سوال یہ ہے کہ اس سودی نظام کا اسلام کے پاس کیا حل ہے اور مسلمانوں کو اس کا کیا نعم البدل دیا جاسکتا ہے؟

یاد رہے کہ اسلام دین فطرت ہے اور تاقیامت پیدا ہونے والے مسائل کا حل اس میں موجود ہے، بس ضرورت عمل کی ہے۔ سودی نظام سے نجات کے لیے اسلام کے پاس مضاربت وشراکت کے قوانین ہیں، کاروبار کے مختلف طریقے ہیں اور قرض پر منافع کے شرعی حیلے موجود ہیں۔ طریقہ بدلنے سے حکم بھی بدل جاتا ہے۔ مثلاً دو افراد دو بکریاں ذبح کرتے ہیں، ایک بسم اللہ پڑھ کر اور دوسرا جان بوجھ کر بسم اللہ چھوڑ کر ذبح کرتا ہے تو ایک بکری حلال اور دوسری حرام قرار پائے گی۔ دین اسلام میں بڑی آسانی ہے مگر من مانی نہیں ہے لہذا اگر پاکستان کو ریاست مدینہ بنانے کے دعویدار اپنے عہد میں سچے ہیں تو مفتیانِ اسلام اور علمائے دین سے وہ تمام طریقے معلوم کریں جو اس سودی نظام کا نعم البدل ہوں۔ حکومت وقت کو چاہیے کہ عوامی شعور وآگاہی کی خاطر کاروباری طبقے اور عوام کے لیے ایسی ورک شاپس کا اہتمام کرے جس میں اسلامی اسکالرز انہیں اسلامی نظام اور اسلامی بینکنگ سے پورے طور پر روشناس کرائیں، حکومتی اشتراک سے میڈیا اس کام میں بہترین کردار ادا کرسکتا ہے نیز اس کام میں کامیابی کے لیے اہل علم اور اہل اقتدار کو ایک دوسرے پر اعتماد بڑھانا ہوگا۔

سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ اگر حکومت قرض پر سود کا معاملہ نہیں کرتی تو افراط زر کی صورت میں اصل زر کو کیسے برقرار رکھا جاسکے گا؟ یوں ہی اگر کوئی شخص بینک میں اپنا پیسہ رکھتا ہے اور اُس پر سود نہیں لیتا تو دس پندرہ سالوں میں اُن پیسوں کی قدر (Value) دن بدن گھٹتی چلی جائے گی۔ اس کا آسان سا حل یہ ہے کہ حکومت یا بینک شخص مذکور سے قرض کا لین دین سونے، چاندی یا ڈالر و پونڈ میں کرے یوں گورنمنٹ اور عوام سود جیسی لعنت کے ساتھ ساتھ افراط زر کے استحصال سے بھی بچ سکتے ہیں۔

سود سے یوں بھی بچا جاسکتا ہے کہ حکومت لوگوں کو کاروبار یا گھر کے لیے براہ راست قرض دینے کے بجائے ان کی پسند کے مطابق خود سے زمین خریدے اور مطلوبہ نفع کے ساتھ آسان اقساط پر فروخت کردے اور اسی طرح گورنمنٹ کاروبار کے لیے بجائے رقم کے مطلوب مال تجارت یا جو اسباب تاجر کو درکار ہیں وہ اُس کے ہاتھ فروخت کردے اور تاجر آسان اقساط کی صورت میں یا طے شدہ مدت میں ادائیگی کرے مگر یاد رہے کہ ان صورتوں میں بھی کوئی غیر شرعی شرط نہ لگائی جائے ورنہ بات پھر وہیں آجائے گی کہ کبھی معاملہ سودی ہوجائے گا یا کوئی مالی جرمانہ لازم آنے کے سبب ناجائز ہوجائے گا۔

ریاست کو چاہیے کہ سودی نظام کے خاتمے کے لیے اسلامی طریقہ "مضاربت" کو رائج کرے، لوگ اپنا پیسہ بینکوں کے ذریعے کاروبار میں لگائیں اور حکومت پورے اخلاص کے ساتھ مفتیانِ اسلام کی مشاورت سے یہ اسلامی نظام نافذ کرے اور اس کا آغاز حکومتی بینکوں اور مالیاتی اداروں سے کیا جائے اور آہستہ آہستہ کمرشل بینکوں کو اس صف میں شامل کیا جائے اور جو بینک پہلے سے مضاربت کو لے کر چل رہے ہیں وہاں موجود خرابیاں دور کی جائیں کیونکہ اسلامی بینکاری کے نام پر رائج معاملات بھی افراد وتفریط کا شکار ہیں اور ہر مسلمان اِن پر اعتماد کرنے اور عملی طور پر اس میں شامل ہونے سے گریزاں ہے، اسلام کے نام پر ان خرابیوں کی اصلاح بھی ریاست کی ذمہ داری ہے۔

اس مضمون سے ہمارا مقصد نہ شرعی احکام بیان کرنا ہے اور نہ ہی کوئی فتوی جاری کرنا ہے بلکہ ہم نے اہل اقتدار اور وطن عزیز کو "ریاست مدینہ" کا عکس جمیل بنانے کا عزم رکھنے والوں کو سود جیسی لعنت سے آزادی کی جانب مائل کیا ہے۔ اللہ پاک ہمارے وطن کو سلامت رکھے اور سودی نظام سے نجات عطا فرمائے۔ امین

مکالمہ

حضرت علامہ مفتی عبد الرحمن قادری سے خصوصی ملاقات

مفتی اعظم ملاوی وسطی افریقہ،
امام وخطیب لمبی جامع مسجد ملاوی
پرنسپل قرآن اکیڈمی ملاوی

نوٹ: مفتی اعظم ملاوی وسطی افریقہ حضرت علامہ مفتی عبد الرحمن قادری صاحب دسمبر ۲۰۲۱ میں اپنے آبائی وطن پاکستان کراچی تشریف لائے، مدیر اعلی محمد انس رضا قادری صاحب کے آپ کے ساتھ گہرے مراسم ہیں، ۱۳ دسمبر ۲۰۲۱ کو مفتی صاحب سے مدیر اعلی کی ملاقات ان کے گھر کلفٹن کراچی میں ہوئی، ملاقات کے دوران مفتی صاحب سے مجلہ "مخزن علم" کے لیے ایک تفصیلی انٹرویو لیا گیا، جسے قارئین کی نذر کیا جا رہا ہے۔۔ادارہ

سوال: حضور آپ کی ولادت اور ابتدائی حالات سے متعلق کچھ ارشاد فرمائیں۔

جواب: میرے والد نواز پٹیل ۱۹۷۸ء سے بینک آف اومان، دبئی میں ملازمت کے سلسلہ میں مقیم تھے، ۱۹۷۹ء میں حاجی محمد میاری والا کی منجھلی بیٹی رشیدہ سے والد صاحب کا نکاح ہوا، شادی کے ۴ سال تک اولاد نہیں ہوئی۔ ۱۹۸۲ء میں حضرت سلطان الہند خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے دربار میں حاضر ہوئے اور دعا کی کہ اگر اولاد ہوئی تو حافظ قرآن بناؤں گا۔ یوں الحمد للہ ۲۲ اکتوبر ۱۹۸۳ء/۱۴ محرم الحرام ۱۴۰۴ھ کو میری دبئی میں پیدائش ہوئی اور الحمد للہ میں حافظ قرآن ہوں۔

۱۹۸۶ء یا ۸۷ میں والد صاحب بینک کی ملازمت چھوڑ کر فیملی کے ساتھ کراچی آگئے اور اپنا کاروبار شروع کیا۔ آپ کتیانہ میمن جماعت اور کتیانہ ہسپتال کی مختلف کمیٹیوں کے ممبر رہے، روزانہ ایک گھنٹہ ہسپتال میں کتیانہ میمن جماعت کی طرف سے غریبوں کی خدمت پر مامور تھے۔ کھارادر کی تمام مساجد کے ائمہ کرام سے ان کے دیرینہ مراسم تھے۔ ۲۳ صفر، ۷ جنوری ۲۰۱۳ء کو ۵۹ سال کی عمر میں شوگر کی وجہ سے سوتے ہوئے انتقال ہوگیا، ناشتہ کرکے سوئے پھر آنکھ نہیں کھلی۔ مولانا محمد الیاس قادری رضوی صاحب کے مرید اور شہید مسجد کھارادر کے مقتدیوں میں سے تھے۔ ابتدا میں مجھے عالم بنانے کے سخت مخالف تھے، مگر میرے شوق کی وجہ سے مجھے اجازت دے دی اور وصیت کی کہ عالم بننا تو علامہ شاہ احمد نورانی جیسا ایماندار بننا ورنہ نہ بنو۔

سوال: آپ نے ابتدائی تعلیم کہاں سے حاصل کی؟

جواب: ہماری رہائش کراچی کے مشہور علاقہ کھارادر میں تھی، اسی علاقہ میں شائننگ اسٹار اسکول تھا جو کہ اب نہیں ہے، وہاں سے میں نے مونٹیسری وغیرہ کی، پھر پہلی کلاس سے والد صاحب نے سینٹ پیٹرز ہائی اسکول (St. Peter's High School) میں داخل کروایا جو کہ دو تلوار (کلفٹن، کراچی) سے قریب واقع ہے۔ میرے والد صاحب کی خواہش تھی کہ میں اچھی تعلیم حاصل کروں کیونکہ والد صاحب بہت محنت کرتے تھے۔ اس دور میں کھارادر سے کسی کا کلفٹن جانا ناممکن سا تھا، یہ سمجھیں کہ اس وقت کھارادر سے ۵ یا ۱۰ فیصد بچے وہاں پڑھنے جاتے ہونگے۔ بہت مہنگی فیس تھی اس زمانے کے حساب سے۔ تقریباً گیارہ سال (۱۹۸۸ء-۱۹۹۹ء) میں نے وہاں اولیول کی تعلیم حاصل کی اور آخری سال میں پوری کلاس بلکہ پوری اسکول میں Top کیا تھا جبکہ وہاں پر پائلٹ، ڈاکٹرز، انجینئرز، آرمی افسرز اور بڑے گھرانوں کے بچے پڑھتے تھے، کیونکہ ہمارے اسکول کا پرنسپل Simon D'Lima تھا جو کہ مشرف کا ٹیچر تھا، اس لیے یہ ایک نامی گرامی اسکول تھا۔ خیر یہ تو میری اسکول کی تعلیم تھی۔

اسکول کی تعلیم کے آخری سال ۱۴ اگست ۱۹۹۷ء میں حفظ قرآن کی

تکمیل کی، میرے پیر و مرشد حضرت علامہ سید شاہ تراب الحق قادری رحمۃ اللہ علیہ نے میری حفظ قرآن کی دستار بندی فرمائی، حفظ قرآن میں نے محمدی مسجد کاغذی بازار میٹھادار کراچی، میں حضرت علامہ قاری محمد جنید نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس کیا، انہوں نے بہت محنت کی، مجھے حفظ کرواکر تراویح اور شبینہ کی مشق کروائی ۔ جب استاد صاحب عمرے پر تشریف لے گئے توانکی جگہ میں نے محمدی مسجد میں امامت کرائی، یہ پہلی مسجد ہے جہاں سے میں نے امامت کرنا شروع کی۔

اے لیولز میں بڑی محنت کی، اے لیولز کی پڑھائی بہت مشکل تھی، صبح سے لیکر رات تک بسوں میں چکر کاٹتا تھا، چکر کھا کھا کر ٹیوشن پڑھی، اتنی محنت کی، مگر میرا رزلٹ اتنا اچھا نہیں آیا۔ اے لیولز میں کوچنگ سینٹر کا ماحول بہت ہی خراب تھا، لڑکیاں آتی تھیں چست کپڑے پہنے۔ میں نے سوچا کہ میرے حفظ قرآن کی ساری برکتیں توختم ہوجائیں گی۔ پھر اللہ کا کرم ایسا ہوا کہ دل اکتا گیا، میں نے دنیاوی تعلیم چھوڑ دی، اتنی محنت کرنے کے بعد میں نے اس کو ٹھوکر مار دی۔ میرے گھر والوں نے بہت مخالفت کی۔ ان دنوں میں چھپ چھپ کر بادامی مسجد میں حضرت علامہ مفتی محمد وسیم ضیائی صاحب اور انکے شاگرد مولانا عبدالقادر صاحب سے درس نظامی پڑھتا تھا۔

والد صاحب کو معلوم ہوا کہ تو وہ مجھے محمدی مسجد میں اوپر والی منزل سے کھینچ کر نیچے لے آئے، لیکن میں نے کہا کہ مجھے دنیاوی تعلیم پڑھنی ہی نہیں ہے، میں نے گھر چھوڑ دیا اور محمدی مسجد بھی چھوڑ دی اور بادامی مسجد گئو گلی میٹھادار میں علامہ محمد وسیم ضیائی صاحب کے پاس مستقل طور پر آگیا اور یہاں چار سال میں نے اسطرح گزارے کہ صرف رات کو سونے کیلیے گھر جاتا تھا یا وہ بھی نہیں، اکثر رات کو بادامی میں ہی سوجاتا تھا۔ گھر والے پہلے تو خوش نہ تھے خاص کر والد صاحب لیکن بعد میں الحمد للہ میرے والد صاحب خوش ہوگئے تھے، وہ اس طرح کہ کھتری مسجد میٹھادار کے خطیب و امام مولانا عارف سعیدی صاحب کی غیر موجودگی میں میں نے اس مسجد میں جمعہ پڑھایا اور والد صاحب نے میری اقتداء میں جمعہ پڑھا تو انہیں بہت خوشی ہوئی۔ پھر والد صاحب نے مجھے نصیحت کی کہ تم عالم بن رہے ہو، میں تو اسکے حق میں نہیں ہوں کیونکہ جتنے علماء ہوتے ہیں وہ میرے پاس کتیانہ جماعت میں آتے ہیں ان کے پاس بچے کی ڈیلیوری کے پیسے بھی نہیں ہوتے، والد صاحب چونکہ دین داری کی طرف اتنا مائل نہیں تھے لیکن وہ پڑھے لکھے بہت تھے مگر علماء کی طرف انکا رجحان نہیں تھا، والد صاحب کہنے لگے کہ یہ عالم جو ہیں بچے کی خواہش تو رکھتے ہیں مگر ڈیلیوری کے انکے پاس پیسے نہیں ہوتے، تیرا بھی یہی حال ہوگا، اگر تمہیں شوق ہے تو شاہ احمد نورانی جیسے عالم بننا، جو بہت ماہر ہو، دنیا بھر میں نام ہو، کسی کے آگے جھکتا نا ہو، اسطرح بننے کی کوشش کرنا، یہ والد صاحب کی خواہش تھی۔

چار سال جب میں بادامی مسجد میں رہا ہوں تو بہت محنت کی ہے۔ حضرت علامہ مفتی محمد وسیم ضیائی صاحب نے بادامی مسجد میں ”مرکز العلوم الاسلامیہ“ کی نے بنیاد رکھی تو میں اور محترم عبد القادر صاحب آپ کے ساتھ تھے، میں صبح درس نظامی پڑھتا اور وہیں بادامی مسجد میں رات کو درس نظامی پڑھاتا تھا۔ درس نظامی میں پوری کوشش کرتا تھا کہ ساری کتابیں زبانی یاد کرلوں تقریبا کتابیں مجھے زبانی یاد ہوتی تھی جیسے شرح مائۃ عامل پوری میں نے ایک نشست میں سنائی تھی، نحو میر پوری یاد کی تھی، صرف میر اکثر مقامات سے مجھے یاد تھی کافیہ، نورالایضاح بھی یاد کی تھی، اصول الشاشی بھی یاد کرتے تھے لیکن جب ذمہ داری بڑھ گئی مدرسے کی

اور نورالانوار تک جب میں پہنچا ہوں تو ظاہر ہے اتنا مطالعہ نہیں کر سکتا تھا پھر رات میں مجھے پڑھانا بھی ہوتا تھا۔

بادامی مسجد میں دارالافتاء کیا بنیاد رکھی گئی، جس میں رئیس دار الافتاء حضرت علامہ مفتی ثاقب اختر القادری صاحب تھے، اس وقت آپ کے فتاوی کی کمپوزنگ میں کرتا، نیز حوالہ تلاش کرتا، اس وقت انٹرنیٹ کا عام رواج تو تھا نہیں، جو حدیث شریف تلاش کرنی ہوتی تو پوری بخاری شریف کی فہرست دیکھتا، کونسی حدیث کہاں ملے گی، صفحے پلٹ پلٹ کر دیکھتا تھا۔ پھر معجم المفاھرس للحدیث لائبریری میں آئی تو حدیث تلاش کرنے میں کچھ آسانی ہوئی۔ فتاوی رضویہ میں کوئی مسئلہ تلاش کرنا ہوتو اس پر بھی میں نے بڑی محنت کی ہے۔ یہ سب اس وقت کی بات ہے جب میرا درس نظامی آدھا بھی نہیں ہوا تھا۔

۱۴ سال کی عمر سے امامت کا بڑا شوق تھا، امامت کا میں عاشق ہوں، بادامی مسجد کا نائب امام بھی تھا، علامہ مفتی محمد وسیم ضیائی صاحب کی غیر موجودگی میں جمعہ کی امامت بھی کی، پھر گیارہ مہینے کھجوری مسجد (جوکہ بادامی مسجد سے قریب ہے) میں امامت کی، وہاں کمیٹی کا کچھ مسئلہ ہوگیا، پھر مدینہ مسجد اولڈ ٹاؤن میں چھ مہینے خطابت کی، پھر جہاں موقع ملتا تھا مولانا وسیم ضیائی صاحب امامت کے لیے بھیج دیا کرتے تھے۔ مولانا عزیز الحق حقانی صاحب جب بھی گاؤں جائیں تو انکی جگہ الف مسجد میٹھادار میں، میں نے کئی جمعہ پڑھائے، کھتری مسجد میں مولانا عارف سعیدی صاحب کی غیر موجودگی میں جمعہ کی امامت کرواتا۔

حضرت علامہ مفتی محمد وسیم ضیائی صاحب کی کوشش ہوتی ہے کہ ادارے بنائے جائیں، تاکہ دین کا کام مزید پھیلے، اسکے لیے انہوں نے ان دنوں بڑی کوشش کی، نیا آباد، موسی لین میں جگہ دیکھی پھر اس پر قبضہ ہوگیا، معاملات خراب ہوگئے، پھر آگرہ تاج میں ایک مسجد تعمیر کروائی، جس کا نام بلقیس مسجد تھا (بعد میں پیر باقر شاہ اور اہل محلہ کے کہنے پر اس مسجد کا نام دعا مسجد کردیا گیا) حاجی ذکر رنگیلا صاحب کے تعاون سے بنی تھی کیونکہ انکی زوجہ مرحومہ کا نام بلقیس تھا، اس مسجد کی تعمیرات اور پلاٹ خریدنے میں میرے والد صاحب نے بھی بڑی محنت کی تھی۔ مفتی صاحب نے مجھے وہاں امام مقرر کردیا۔

ان دنوں میری روٹین کچھ اس طرح تھی کی میں فجر کی نماز پڑھانے کھارادر پنجابی کلب سے آگرہ تاج جاتا، میرے پاس موٹر سائیکل نہیں تھی، میں نے علامہ وسیم ضیائی صاحب سے قسطوں میں پندرہ ہزار کی بائیک خریدی اور ہر مہینے ہزار روپے ادا کرتا۔ فجر کے بعد ناشتہ کرنے گھر آتا، پھر ناشتہ کرکے بادامی مسجد ۷:۳۰ بجے پہنچ جاتا، ان دنوں میں شرح تہذیب، کنز الدقائق، شرح عقود رسم المفتی علامہ مفتی ثاقب اختر القادری صاحب سے پڑھتا تھا اور علامہ عمران ضیائی صاحب سے شرح جامی اور ہدایہ وغیرہ پڑھتا، یہ سب پڑھنے کے بعد بلقیس مسجد جاؤں، ظہر کی نماز پڑھاؤں، پھر بادامی مسجد آجاؤں کیونکہ میں حفظ کے مدرسہ کا ناظم تعلیمات تھا، یوں حفظ کے مدرسہ کی نگرانی کروں، پھر دوپہر کا کھانا کھا لیا تو نصیب، عصر پڑھانے پھر بلقیس مسجد آگرہ تاج آجاؤں اور عصر سے عشاء تک وہیں مطالعہ کروں، تعویذات بھی لکھوں، اگر وہاں سوئم یا چہلم ہوتو میں تقریر کروں۔ عشا کی نماز کے بعد لوگوں سے ملاقات کر کے نکلوں تو پھر بادامی مسجد آجاؤں، یہاں رات میں ہدایۃ النحو اور نور الایضاح وغیرہ پڑھاتا تھا۔ اس وقت تھکن سے میرا برا حال ہوجاتا تھا۔ میرا شروع سے معمول ہے کہ رات کو بہت تھک جاتا ہوں اور یہ بیماری ہے کہ پڑھتے پڑھاتے کتابوں پر ہی سوجاتا ہوں یوں اکثر میں رات کو بادامی مسجد میں ہی سوجاتا تھا۔

سوال: حضور آپ نے ایک عرصہ مرکز اہلسنت میمن مسجد مصلح الدین گارڈن (کھوڑی گارڈن) میں حضرت علامہ سید شاہ تراب الحق قادری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں گزارا، بادامی مسجد سے یہاں

کیسے آنا ہوا؟

جواب: ۲۰۰۴ء میں جب بلقیس مسجد آگرہ تاج میں امامت کر رہا تھا تو رمضان المبارک میں یہ ہوا کہ میرا ستھرواں (۱۷) پارہ تراویح میں چل رہا تھا اور پیر باقر شاہ صاحب جو کہ آگرہ تاج میں مشہور پیر ہیں، انہوں نے مسجد پر قبضہ کر لیا، کیونکہ ہمیں دار العلوم بنانا تھا اس لیے چندہ مہم جاری تھی تو انہیں اس سے تکلیف تھی کہ سارا چندہ ہم لوگ لیکر جا رہے ہیں۔ انہوں نے ہمیں بلقیس مسجد سے نکالنے کی کوشش کی، میں چھوڑ ہی نہیں رہا تھا وہ مجھے جان سے مارنے کی دھمکیاں دے رہے تھے، علامہ وسیم ضیائی صاحب نے مجھے کال کی کہ بیٹا آپ وہاں سے چھوڑ دو، میں نے ان سے کہا کہ حضرت اگر میں ابھی آگیا تو یہ لوگ مجھے فجر میں نہیں آنے دیں گے، پورے علاقے کا گھراؤ کر لیا ہے، مجھے اِدھر شہید ہونے دیں، بس مجھے مصلیٰ نہیں چھوڑنا، انہوں نے کہا دو دن میں سب ٹھیک ہو جائے گا، میں نے کہا حضرت نہیں ہو گا، آپ میری بات سمجھیں۔ علامہ وسیم ضیائی صاحب نے بہر حال ہر صورت میں مجھے مسجد چھوڑنے کا حکم دیا۔ اب ظاہر ہے انہیں خطرہ ہو گا میری جان کا اس لیے انہیں یہ فیصلہ کرنا پڑا۔ یہ وہ دن تھا جب میں نے بادامی مسجد چھوڑی۔

میں پھر وہاں سے نکل کر صبح فجر کی نماز میں شاہ صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں حبیب مسجد مقبول آباد (بہادر آباد) پہنچ گیا، شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو رات کے معاملہ کی رپورٹ مل چکی تھی۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی شفقت فرمائی۔ پھر میرے لیے پریشانی یہ تھی کہ میں کس مسجد میں جاتا؟ تو میں مغرب میں میمن مسجد مصلح الدین گارڈن (کھوڑی گارڈن) پہنچ گیا، نماز مغرب کے بعد شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ہوئی، شاہ صاحب حجرے میں تشریف لے گئے اور فیصل بھائی (حجرے کے خاص آدمی) سے فرمایا کہ مولانا عبد الرحمن کو بلا کر لاؤ، شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلایا، پھر عشاء تک میں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہا، پاؤں دباتا رہا، خود پر گزری سناتا رہا۔ اب اگلے دن میں کہاں جاؤں؟ کس مسجد میں جاؤں؟ اب ظاہر ہے مجھے ایکٹیوٹی تو چاہیے کام کرنے کیلیے، اگلے دن میں پھر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں مغرب میں پہنچ گیا۔ مجھے شرم آرہی تھی کہ شاہ صاحب پھر بلا نہ لیں، میں نے نماز کے بعد نفل شروع کر دیے کہ شاہ صاحب سے ہاتھ نہ ملانا پڑے۔ سلام پھیرا تو فیصل بھائی کھڑے ہوئے تھے، کہا کہ: شاہ صاحب آپ کو بلا رہے ہیں۔ پھر وہی معمول، تیسرے دن بھی ایسا ہی ہوا، پھر شاہ صاحب نے فرمایا: آپ یہاں آجایا کریں۔ بھائی پھر میں شاہ صاحب کے حجرے کا خاص آدمی بن گیا۔ شاہ صاحب نے بڑی محبت دی، میں سارا سارا دن آپ کی خدمت میں رہتا، گھر صرف سونے کے لیے جاتا تھا بلکہ گھر جانے کا بھی دل نہیں کرتا تھا۔ رمضان شریف کے بعد دار العلوم امجدیہ میں داخلہ لے لیا۔

میں نے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں انکے سیکریٹری کے طور پر کام کیا، سوالات کے جوابات لکھے، جرأت، ریاست، آغاز اخبارات کے ۴ سال تک شرعی سوالات کے جوابات لکھتا رہا، شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کی تصحیح فرماتے، پھر میں اخبارات کے دفتر میں دینے جاتا، ۴ سال ماہنامہ مصلح الدین کی پروف ریڈنگ کی، شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس جو کتابیں چیک ہونے آتیں ان کی تصحیح کرتا، شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آن لائن سوالات آتے تو ان کے جوابات کی تخریج کرتا اور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بند کمرے میں بیٹھ جاتا اور شاہ صاحب اسے ریکارڈ کرواتے، شاہ صاحب اپنی تقاریر کے لئے مجھے حکم فرماتے: یہ کتاب نکالو، وہ حوالہ تلاش کرو، فلاں مسئلہ کا حوالہ تلاش کرو، کسی کا نام رکھنا ہو تو وہ تلاش کرو، کبھی مؤذن نہ ہو تو اذان دے دی اور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ حج پر تشریف لے گئے تو امام صاحب قاری غلام حسین

صاحب بھی حج پر چلے گئے، قاری غلام سرور جو کہ مؤذن تھے ان کے بھائی کا انتقال ہو گیا وہ بھی گاؤں چلے گئے ان دنوں سترہ دن تک میمن مسجد مصلح الدین میں امامت کی سعادت حاصل ہوئی۔

جب درس نظامی کا آخری سال آیا تو شیطان غالب آگیا، کہ اسلامی بینک میں نوکری کرنی ہے، خوب پیسے کمانے ہیں، اب اگر شاہ صاحب کو چھوڑ کر جاؤں گا تو شاہ صاحب ناراض ہوں گے، ان کا اپنا رعب و دبدبہ تھا۔ میرا جذبہ یہ تھا کہ میں حلال روزگار میں آگے ترقی کرنا چاہتا تھا جبکہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس میری مکمل دن کی ڈیوٹی ہوتی تھی، شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب آئیں تو میں آپ کے ساتھ رہوں اور رات کو شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب گھر تشریف لے جائیں تو اس کے بعد میرا اصل کام شروع ہوتا تھا، شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ مجھے دوسرے کام دے کر جایا کرتے تھے۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ امریکہ تبلیغی دورے پر تشریف لے جائیں تو میں خود پر کئی ذمہ داریاں لے لیتا، شاہ صاحب کی تقریروں کو کیسٹ سے سن کر لکھنا، اس لکھنے میں چھ چھ گھنٹے لگ جاتے تھے۔ لائبریری کی سیٹنگ کرنا، لوگوں کو شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تعویذات دینا، لوگوں کو سوالات کے جوابات دینا۔

بہر حال ۲۰۰۸ میں کچھ وجوہات کی بنا پر میں نے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں حاضر ہونا کم کر دیا، درس نظامی بھی مکمل ہو چکا تھا، ۲۰۰۸ میں میری درس نظامی کی دستار بندی ہوئی، شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ موجود تھے بڑی مشکل سے ہماری آنکھیں ملیں، دستار بندی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی، جبکہ میں اپنے ایک عظیم محسن کو چھوڑ کر جا چکا تھا، ۲۰۱۲ سے میں پھر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ حاضر ہونا شروع ہو گیا اور روزانہ حبیب مسجد مقبول آباد جایا کرتا تھا۔

سوال: آپ نے فتویٰ لکھنے کا آغاز کب سے کیا؟

جواب: میں نے درس نظامی کے دوران ہی سوالات کے جوابات لکھنا شروع کر دیے تھے، بادامی مسجد میں جب درس نظامی پڑھتا تھا اس وقت دار الافتاء میں، میں نے حضرت علامہ مفتی ثاقب اختر القادری دام ظلہ کے ساتھ بیٹھ کر کچھ جوابات لکھے تھے، حوالے تلاش کرتا تھا۔ مفتی ثاقب صاحب بہت قابل مفتی ہیں، مایہ ناز مفتی ہیں، مطلب ہیرا ہیں، صرف فتویٰ نہیں اردو لکھائی پر بھی بڑی گرفت تھی، مفتی صاحب فرماتے تھے کہ عبارت جامع مانع ہونی چاہیے، جواب لکھنے کا طریقہ عالمانہ ہونا چاہیے عوام کو باآسانی سمجھ آجائے مشکل محسوس نہ ہو، الفاظ کا چناؤ اچھا ہونا چاہیے، زیادہ تفصیل نہیں ہونی چاہیے، فتویٰ نویسی میں مفتی ثاقب صاحب سے بہت کچھ سیکھا۔

پھر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بیٹھ کر میں نے چار سو کے قریب جوابات لکھے تھے اور شاہ صاحب تصحیح فرماتے تھے۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ مجھے مفتی صاحب ہی فرماتے تھے۔ پھر فتویٰ نویسی میں جو کسر رہ گئی تھی وہ مفتی عطاء اللہ نعیمی صاحب نے پوری کر وادی، مفتی عطاء اللہ نعیمی صاحب تو حوالوں کی دکان ہیں، مفتی عطاء اللہ نعیمی صاحب کو میں نے کافی جوابات چیک کروائے اور ان سے رہنمائی بھی لی۔

الحمد للہ فقیر کو ۲۰۱۱ میں حضرت علامہ مفتی ثاقب اختر القادری صاحب نے اور ۲۰۱۵ میں شیخ الحدیث حضرت علامہ مفتی محمد اسماعیل ضیائی صاحب نے، ۲۰۲۲ میں حضرت علامہ مفتی عطاء اللہ نعیمی صاحب اور مفتی احمد میاں برکاتی صاحب نے اجازت افتاء، مفتی کی سند عطا فرمائی۔ الحمد للہ تا حال ۲۰۰۰ سے زائد فتاویٰ لکھ چکا ہوں اور یہ سلسلہ تا حال جاری ہے۔

سوال: آپ کی عصری تعلیم کتنی ہے؟

جواب: اے لیول تک کی تعلیم تو میں حاصل کر چکا تھا جیسا کہ عرض کر چکا، یوں سمجھیں میں نے انٹر کیا ہوا تھا لیکن اے لیول کی تعلیم انٹر کی تعلیم سے کافی مشکل ہوتی ہے۔ پھر ۲۰۰۷ میں اے لیول

کی بنیاد پر انٹر کے کچھ پیپر دے کر اس کا (equivalency) سرٹیفیکیٹ بنوایا اور بی اے میں داخلہ لیا، ۲۰۰۹ میں بی اے مکمل کیا اور فوراً میں نے ایم بی اے کے لئے پرائیویٹ یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا، پھر بینک کی ملازمت کے ساتھ چھ سال (۲۰۰۹-۲۰۱۵) میں ایم بی اے (Finance) مکمل کیا۔ ایم بی اے کا میرا مقالہ (Thesis) چل رہا تھا، اس کے دوران میں نے کراچی یونیورسٹی سے بین الاقوامی تعلقات (IR) میں ایک اور ایم اے بھی کیا، یہاں پر میرا عصری تعلیمی سفر ختم ہوگیا جبکہ میں مزید بھی پڑھنا چاہتا تھا۔

سوال: اسلامی بینک میں آپ بطور شرعی ایڈوائزر رہے، اس سلسلہ کا آغاز کیسے ہوا اور پھر آپ نے بینک کیوں چھوڑ دی؟

جواب: ۲۰۰۸ میں جب درس نظامی مکمل ہوا اس وقت بینک میں ملازمت کا شوق تھا، فروری ۲۰۰۹ میں داؤد اسلامک بینک کو جوائن کرلیا، جس کا نام ۲۰۱۱ میں برج بینک ہوگیا تھا اب حال ہی میں یہ البرکہ بینک میں ضم ہوگیا ہے۔ بینک میں جب نوکری پکی ہو گئی تو اگست ۲۰۰۹ میں میرا نکاح ہوگیا اور دسمبر ۲۰۰۹ میں شادی کا سلسلہ ہوا، یوں گھر کی ذمہ داری بڑھ گئی۔ نومبر ۲۰۱۲ تک یہیں ملازمت کی پھر دسمبر ۲۰۱۲ میں یو بی ایل بینک کو جوائن کرلیا اور نومبر ۲۰۱۸ تک یہیں ملازمت رہی۔

بطور شرعی ایڈوائزر پاکستان کے کافی شہروں میں سفر کرکے بینک اسٹاف کی اسلامی معاملات پر ٹریننگ کی۔ نیز اسٹیٹ بینک میں مختلف تقاریب اور سیمینارز میں اہلسنت کی نمائندگی کی اور اسلامی بینکاری پر اپنے اعتراضات پیش کئے۔

جہاں تک بینک چھوڑنے کی بات ہے تو اس کا سلسلہ کچھ یوں بنا کہ بینک کے معاملات روز بروز مجھ پر کھل رہے تھے کہ بظاہر اسلامی بینک ہے، سودی لین دین کا سلسلہ ان کا بھی ہوتا، قبلہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہمیں مثال دے کر سمجھاتے تھے کہ بینک کے پاس کونسا ایسا کنواں ہے جس سے پانی نکلتا رہتا ہے، مطلب صرف منافع کی بات ہے، نقصان کا کوئی ذکر نہیں۔

پھر میں ۲۰۱۲ سے دوبارہ شاہ صاحب کی بارگاہ میں حاضر ہونا شروع ہوگیا تھا تو ایک خلش دل میں رہتی کہ میرے پیر و مرشد میری اس نوکری سے راضی نہیں، بہر حال معاملات چلتے رہے، ۲۰۱۵ کی بات ہے جب شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اہلیہ کا وصال ہوا تو اس وقت سوئم کی محفل تھی دار العلوم امجدیہ میں بعد نماز مغرب، شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی موجود تھے، پھر عشاء کی نماز سے قبل شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ دار العلوم امجدیہ سے مسجد حبیب (شاہ صاحب کے گھر سے متّصل) تشریف لے آئے، میں بھی ساتھ ساتھ پہنچ گیا، مسجد حبیب میں نماز عشاء ہوچکی تھی، تو شاہ صاحب مسجد کے باہر ٹینٹ میں بیٹھ گئے اور مجھ سے پوچھا، صوفی صاحب کیا آپ نے نماز پڑھ لی؟ میں نے عرض کی حضور آپ کے ساتھ ساتھ یہاں حاضر ہوگیا ہوں، عشاء کی نماز نہیں پڑھی، ارشاد فرمایا کہ چلیں آپ امامت کرلیجیے گا، میں دل ہی دل میں بہت خوش ہوگیا کہ حضرت میری امامت میں نماز ادا فرمائیں گے، کچھ دیر بعد فرمایا چلیں مسجد میں چلتے ہیں، نماز پڑھتے ہیں، شاید ہمیں کوئی نماز پڑھا دے۔ میرے لیے یہ جملہ حیران کن تھا جبکہ کچھ دیر قبل مجھ سے امامت کرنے کا فرمایا تھا، پھر جو درس نظامی کا طالب علم نظر آتا اس سے پوچھتے صوفی صاحب آپ نے نماز پڑھ لی ہے؟ جبکہ میں برابر میں کھڑا ہوں میری طرف توجہ نہیں فرمارہے، پھر اپنے بھتیجے شاہ مظہر الحق صاحب سے معلوم کروایا کہ انہوں نے نماز پڑھ لی ہے؟ ورنہ وہ امامت کروائیں، انہوں نے بھی بتایا کہ نماز پڑھ لی ہے۔ بالآخر کوئی نہیں ملا تو مجھ سے فرمایا کہ آپ امامت کروائیں، یوں ہم نے عشاء کی نماز پڑھی۔

یہ معاملہ مجھ پر پہاڑ بن کر ٹوٹا اور میں سمجھ گیا کہ میری بینک کے نوکری کی وجہ سے حضرت یہ پسند نہیں فرمارہے تھے کہ میری

امامت میں نماز ادا فرمائیں، بہت حد تک کوشش کی کہ کوئی دوسرا شخص مل جائے کہ وہ امامت کروائے، جب کوئی نہ ملا تو مجھ سے فرمایا کہ امامت کروائیں۔ اس کے بعد میں نے عزم مصمم کر لیا کہ میں بینک کی نوکری چھوڑ دوں گا۔

دو دن بعد شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ حضور میں بینک کی نوکری چھوڑنا چاہتا ہوں اور آپ کی طرح کام کرنا چاہتا ہوں، یہ بات عرض کرنی تھی کہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا چہرا کھل اٹھا، پھر فرمایا کہ ہماری طرح کام کرنا دشوار ہے، کر لو گے ؟ میں نے عرض کی کر لوں گا، پھر فرمایا: نوکری نہیں چھوڑنا جب تک کہیں بندوبست نہ ہو جائے۔ پھر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ میرے لیے مساجد تلاش کرتے رہے، کہ اچانک کینیڈا سے بلاوا آیا، شاہ صاحب نے فرمایا ہاں بہتر ہے کہ تم باہر چلے جاؤ، پھر شاہ صاحب علالت کے باعث ہسپتال منتقل ہو گئے اور آپ کو وصال باکمال ہوا، بعد میں کینیڈا کا ویزا نہ لگ سکا۔

پھر میں حج پر گیا تو میں نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں یہ عرض کی کہ مجھے بزرگوں کی طرح دین کی خدمت میں لگا دیں، میری بھی کئی ڈیوٹی لگ جائے، بینک کی نوکری چھوٹ جائے، جس طرح خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کو آپ نے اجمیر عطا کیا اس طرح مجھے بھی کوئی جگہ آپ عطا فرما دیں، ظاہر ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی کے بغیر تو کچھ نہیں ہو سکتا۔

پھر کیا تھا کہ ایک دن اچانک ملاوی سے بلاوا آ گیا، کہا گیا کہ آپ کراچی سے ایک ہفتہ میں ملاوی شفٹ ہو جائیں، میں نے اپنی اہلیہ کو راضی کیا اور ایک ہفتہ میں ملاوی منتقل ہو گیا، جب ملاوی پہنچا تھا اس وقت میں بینک کا ملازم تھا، جب تمام معاملات طے پا گئے، پھر میں نے ملاوی سے ۲۸ نومبر ۲۰۱۸ کو میں نے بینک سے استعفی دے دیا، میرا استعفی سوشل میڈیا پر وائرل بھی ہوا، مارکیٹ میں بڑے بڑے وہابی مفتیوں نے مجھے میسج کیے، تعریفیں کیں، بولے یہ ہماری جماعت میں کوئی نہیں کر سکا، استعفی لیٹر میں میں نے لکھا کہ بینک کے مفتی پیسے لے کر غلط فتوے دیتے ہیں، کب تک ایسا چلے گا، میں نے بہت کوشش کی لیکن یہ سسٹم صحیح نہیں ہو رہا، مجھے مرنے کے بعد اللہ کو جواب دینا ہے، میں نے اپنی آخرت اچھی کرنے کے لئے غریب ملک کا انتخاب کیا کہ ادھر مجھے نوکری مل گئی ہے گو کہ اتنی مراعات نہیں ہوں گی لیکن ادھر سکون سے میری آخرت بن جائے گی۔ یوں میں نے بینک کی نوکری کو خیر آباد کہہ دیا جبکہ میری آخری تنخواہ بینک میں پونے دو لاکھ تھی اور ترقی کے قوی امکانات تھے۔

سوال: جب بینک میں ملازمت جاری تھی اس وقت مذہبی سرگرمیاں کیا تھیں؟

جواب: ۲۰۰۹ میں جب میں ملازم تھا بینک میں تو مفتی سہیل رضا امجدی صاحب (Qtv والے) کے پاس عید گاہ مسجد جامع کلاتھ مارکیٹ میں ان سے ملاقات کے لیے جایا کرتا تھا، انہوں نے مجھ سے کہا کہ میں دار الافتاء بنانا چاہتا ہوں، میں نے کہا میں آپ کو سیٹ کر دوں گا، کیونکہ مجھے بادامی مسجد کے دار الافتاء سے اور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں رہ کر سائلین کے جواب دینے اور لکھنے، کتابوں کی ترتیب اور لائبریری کی سیٹنگ کا کافی تجربہ ہو چکا تھا، اس لیے میرے لیے یہ کوئی نیا کام نہیں تھا۔ سہیل رضا امجدی صاحب نے کتابوں کے لیے رقم اور لائبریری کے لیے الماریاں ارینج کر دیں، میں نے کافی محنت سے مکمل دار الافتاء سیٹ کر دیا، نیز دار الافتاء میں پبلک لائبریری بھی قائم کی تاکہ لوگوں میں مطالعہ کا شوق بڑھے۔ دار الافتاء کا نام دار الافتاء بخاری تھا۔ میں رات کو بینک سے فارغ ہو کر سات بجے دار الافتاء پہنچ جاتا، فتاویٰ لکھتا، رات بارہ، ایک بجے تک بیٹھا رہتا حالانکہ میرا مقررہ وقت دس بجے کا تھا، مجھے ماہانہ تین ہزار وظیفہ ملتا تھا۔ کافی فتاوی میں نے لکھے، ان فتاوی کا ریکارڈ میرے پاس آج بھی موجود ہے۔

دار الافتاء میں بیٹھ کر مجھے احساس ہوا کہ یہاں کے معاملات مناسب نہیں ہیں، کافی باتوں پر مجھے اعتراض بھی تھا، پھر بات آئی فتاوی جات کی طباعت کے حوالہ سے تو اس پر مفتی سہیل رضا امجدی صاحب اور میرا تنازع ہوگیا، بالآخر ۲۰۱۱ میں دار الافتاء بخاری کو میں نے خیر آباد کہہ دیا۔

۲۰۱۱ میں رہبر اسلامک فاؤنڈیشن کے تحت چلنے والے ادارے الفیضان اکیڈمی پی آئی بی کالونی کراچی میں آگیا، یہاں رات میں تخصص کے طلبہ کو پڑھاتا، پھر ۲۰۱۲ میں استاد محترم حضرت علامہ مفتی ثاقب اختر القادری صاحب کا برطانیہ جانے کا سلسلہ ہوا تو آپ کے اسباق بھی میرے حصہ میں آگئے، یہاں رات میں تخصص کے طلبہ کو شرح عقود رسم المفتی، الاشباہ و النظائر، رسائل فتاوی رضویہ، سراجی وغیرہ کتب پڑھائیں، شرح عقود رسم المفتی میں نے ڈٹ کر پڑھائی علامہ شفیع اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ کے انداز میں پڑھاتا، کوشش ہوتی کہ طلبہ کو کتاب یاد ہوجائے۔ نیز دار الافتاء الفیضان میں طلبہ کرام کو تدریب (فتوی لکھنے کی مشق) بھی کرواتا، کوئی طالب علم میرے پاس فتوی چیک کروانے لائے تو میں بہت سخت چیکنگ کرتا، کئی اعتراضات کرتا، حوالہ جات کی مکمل تصحیح کرواتا، ابتداء میں طالب علم کو برا تو لگتا تھا لیکن جب جواب فائنل ہوجاتا تو وہ خود بھی مطمئن ہوتا تھا۔ الحمد للہ کافی محنت سے یہاں میرے تین چار مضبوط شاگرد تیار ہوگئے جو اب بھی فتاوی لکھ رہے ہیں۔

دار الافتاء الفیضان میں ۲۰۱۱ سے ۲۰۱۶ تک شیخ الحدیث مفتی محمد اسماعیل ضیائی صاحب دام ظلہ کی نگرامی میں تدریس، اور فتوی نویسی، نیز طلبہ کو فتوی کی مشق کروانے کا سلسلہ رہا۔ میرے چند منتخب فتاوی کو فتاوی الفیضان جلد اول کے نام سے شائع بھی کیا جاچکا ہے، جس میں ۶۳ فتاوی ہیں۔

سیدی و مرشدی شاہ تراب الحق قادری رحمۃ اللہ علیہ کے وصال پر ملال کے بعد ۲۰۱۶ سے ۲۰۱۸ میں ملاوی جانے تک رات کے اوقات میں مدرسہ انوار القرآن قادریہ رضویہ میمن مسجد مصلح الدین گارڈن میں تدریس کرتا رہا، یہاں فقہ کی کتب، نور الایضاح، قدوری اور ہدایہ پڑھانے کی سعادت ملی۔

سوال: کیا بینک کی ملازمت کے دوران بھی امامت و خطابت کا سلسلہ رہا؟

جواب: ۲۰۰۹ میں جب میری بینک میں ملازمت شروع ہوئی تو ان دنوں مدینہ مسجد سینٹر جیل میں جمعہ کی امامت و خطابت کے لیے جاتا تھا، وہاں قیدیوں کی تربیت کرتا، بڑی راتوں میں وہیں خطاب کرتا، عید بھی پڑھاتا۔ پھر ۲۰۱۲ سے اسماعیل گیگا مسجد جمشید روڈ میں جمعہ کی امامت و خطابت کا سلسلہ شروع ہوا، جو کہ ڈیرھ سال جاری رہا، پھر دو سال قوت الاسلام مسجد لیاقت آباد میں جمعہ کی امامت و خطابت کی، ان دنوں مجاہد ہاکی اسٹیڈیم ناظم آباد میں عید کی نماز پڑھاتا تھا، پھر گھر کے قریب منظور کالونی میں جامع مسجد گلزار حبیب میں امامت و خطابت کی۔ وہاں ایک بڑا مدرسہ بھی تعمیر کروایا تھا، منظور کالونی میں امیر جماعت اہلسنت منظور کالونی بھی تھا، ۱۳ مساجد میری نگرانی میں چلتی تھیں۔ منظور کالونی میں مسجد کمیٹی کے تنازعات کے باعث میں نے وہ مسجد چھوڑ دی۔ پھر ۲۰۱۶ میں میمن مسجد سیلانی ہاؤس ڈیفنس فیز ۲ میں آگیا، یہاں امامت و خطابت کرتا، یہاں جمعہ کا آغاز بھی اور ملاوی جانے تک تقریبًا دو سال یہیں سلسلہ رہا۔

۱۹۹۸ سے اب تک مسلسل تراویح میں قرآن مجید سنانے کی سعادت حاصل ہورہی ہے، میں تراویح کی اجرت کا چاہے صراحتا ہو یا کنایۃ یا عرفا ہر اعتبار سے مخالف ہوں۔ اور اپنے لئے تراویح کا ہدیہ بھی ناپسند کرتا ہوں۔

سوال: آپ کو کن بزرگوں سے اجازت و خلافت حاصل ہے؟

حضور مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ کے مرید حضور سید وجاہت رسول قادری

صاحب رحمۃ اللہ علیہ پہلی شخصیت ہیں جنہوں نے تمام سلاسل کی خاص کر سلسلہ عالیہ قادریہ رضویہ کی اجازت و خلافت عطا فرمائی، آپ نے مجھے خود بلا کر فرمایا: مجھے حضرت علامہ سید شاہ تراب الحق قادری رحمۃ اللہ علیہ (جبکہ شاہ صاحب کا وصال باکمال ہو چکا تھا) نے حکم دیا ہے کہ میں آپ کو خلافت دو، اب یہ اللہ بہتر جانتا ہے، میں نے پوچھنے کی ہمت کی، تو انہوں نے فرمایا: آپ چھوڑ دیں اس معاملے کو۔ حضور سید وجاہت رسول قادری رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے فرمایا تھا کہ آپ لوگوں کو اسلام میں داخل کریں تو ساتھ ساتھ انہیں سلسلۂ عالیہ قادریہ رضویہ میں بھی داخل کرلیا کریں، ان کے حکم پر میں نے ملاوی میں بیعت کا سلسلہ بھی شروع کیا۔

خلیفہ مفتی اعظم ہند حضرت مولانا عبدالحمید پالمر، خلیفہ مفتی اعظم ہند مولانا منان رضا خان بریلی شریف، مفتی اعظم سندھ مفتی احمد میاں برکاتی، تاج العلماء علامہ سید محمد نورانی میاں اشرفی جیلانی کچھوچھہ شریف اور مفتی صغیر احمد جوکھنپوری بریلی سے بھی راقم کو اجازت و خلافت حاصل ہے۔

سوال: آپ جب ملاوی آئے تو ابتدائی طور پر کیا دشواریاں پیش آئیں؟

جواب: ملاوی کی دو کڑور تک آبادی ہے، اس میں پندرہ فیصد مسلمان ہوں گے، جس میں سے ایک فیصد ایشیا کے لوگ ہوں گے، چودہ فیصد مقامی لوگ ہیں، وہاں بارہ ربیع الاول کا بڑا اجتماع ہوتا ہے جس میں ہمارے ایشین لوگ ہوتے ہیں، اسی طرح مقدس راتوں میں تین سو چار سو افراد کا اجتماع ہوتا ہے۔ ابتدا میں جب وہاں پہنچا تو ربیع الاول کے ایام تھے، دشواری یہ تھی کہ تقریر کے لئے اچھی تیاری کرنی پڑتی تھی، وہاں کے لوگ جنہوں نے شیخ الاسلام مدنی میاں کی تقریریں سنی ہوں، غازی ملت ہاشمی میاں کی تقریریں سنی ہوں، حضور تاج الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ سال میں ایک دو بار یہاں تشریف لاتے تھے ان کی تقریریں سنی ہوں، اسی مسجد میں حضور محدث کبیر دام ظلہ بھی کئی بار خطاب فرما چکے ہیں، بڑے بڑے علماء یہاں تشریف لاتے ہیں، اب میرے جیسا آدمی کیا تقریر کرے، اتفاق یہ تھا کہ ان دنوں اس مسجد میں کوئی بہترین مقرر بھی نہیں آیا تھا اور نہ میں کوئی اتنا بڑا مقرر، بس کچھ اصلاحی گفتگو کر لیتا تھا، تو یہ دشوار مرحلہ تھا، اللہ کے کرم سے اچھی تقاریر کرلیں۔

دوسرا مسئلہ جو زیادہ مشکل تھا وہ جمعہ کا خطاب تھا جو کہ انگریزی میں کرنا تھا، پڑھا لکھا تو تھا، انگریزی بھی خوب آتی تھی، لیکن انگریزی میں تقریر کبھی نہیں کی تھی، لیکن اللہ کے کرم سے یہ مسئلہ بھی حال ہو گیا۔

تیسرا مسئلہ وہاں لوگوں کو مطمئن کرنا تھا کیونکہ جتنے لوگ وہاں آئے تھے انہوں نے بھاری بھاری رقم لوگوں سے لیں، دیانتداری کا بڑا فقدان تھا، اللہ کے فضل سے ایمانداری اور دیانتداری سے اب تک کام کر رہا ہوں، میں نے لوگوں سے کہا کہ میں تقریروں کے لئے پیسے نہیں لوں گا، مجھے کوئی نذرانہ نہ دیں، بس آپ مسجد میں آکر نماز پڑھیں، لوگوں نے چیک کرنے کی بہت کوشش کی لیکن انہیں مجھ میں پیسوں کو لالچ نہیں ملی، ہر امتحان میں الحمد للہ میں کامیاب رہا۔ میں نے کبھی لوگوں سے پیسے نہیں لیے، کبھی کسی ادارے کے لئے پیسے نہیں مانگے، بلکہ وہاں لوگوں سے کہتا ہوں کہ اپنی زکوۃ، خیرات، صدقات اپنے اسی ملک میں لگاؤ، اس ملک کی ترقی میں حصہ ملاؤ، اولیاء کرام و صوفیاء کرام نے یہی کام کیا جس علاقہ میں تشریف لے گئے اس علاقہ میں انقلاب لے کر آئے، وہاں کی تعمیر و ترقی میں حصہ لیا۔

میں وہاں لوگوں سے کھل کر گفتگو کرتا ہوں، کہ جو تمہیں کھیلنا ہے، سود تمہیں کھانا ہے، شراب تم لوگوں نے پینی ہے، زنا تمہارے یہاں عام ہو رہا ہے۔ مجھے لوگوں نے منع کیا تھا، اتنا کھل کر بات نہیں کرنا لیکن حق بات کرنے، منہیات سے منع کرنے میں لحاظ مروت سے کام نہیں لیتا۔ الحمد للہ تین سال وہاں گزار چکا

ہوں، تبلیغ دین کا کام جاری ہے۔

سوال: کئی لوگ پاکستان، ہندوستان سے بظاہر تبلیغ کے لیے جاتے ہیں لیکن مقصد اپنے گھر کے معاشی حالات کو بہتر بنانا ہوتا ہے، آپ کیا سمجھتے ہیں؟

جواب: میں تو دین کی خدمت کے لیے گیا تھا، وظیفہ بھی مل جاتا ہے۔ میں ملاوی میں صرف مسجد کا امام نہیں بلکہ وہاں کا ہیڈ امام اور اکاؤنٹنٹ بھی ہوں، ہماری مسجد، اس کے ساتھ دو اور مساجد، پھر ایک قبرستان ان سب کے معاملات بھی میں نے دیکھنے ہیں، پورے اسٹاف کی تنخواہ بنانا، سب کا ٹیکس جمع کروانا، بیس دو کانیں اور تین مکان ہیں ان کا کرایہ وصول کرنا، پھر اس کا مکمل ریکارڈ رکھنا، بینک میں کرایہ جمع کروانا، قبرستان میں تدفین کے پیسے، اس کا مکمل ریکارڈ، دیگر دو مسجدوں کے پیسوں کا حساب، مسجد کی مینٹینس دیکھنا۔ وہاں پورے شہر میں کس مسجد میں کونسا امام مقرر کرنا ہے، جمعہ کی ڈیوٹی کس کی ہے، یہ بھی میری ذمہ داری ہے، مطلب وہاں اگر آپ دین کا کام کرنے کی نیت سے جائیں تو کام کرنے کے کافی مواقع ہیں، میرے لئے بڑا آسان تھا کہ نماز پڑھاؤں، اپنی ذمہ داری پوری کروں اور سو جاؤں لیکن میں نے اتوار کا دن استعمال کرنا شروع کیا، گاؤں دیہاتوں میں تبلیغ دین کے لیے پہنچ جاتا ہوں، اسلام کی حقانیت سے عیسائیوں کو آگاہ کرتا ہوں، انہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں، یوں اللہ کے فضل سے اب تک تقریبًا سات سو کے قریب افراد دائرۂ اسلام میں داخل ہو چکے ہیں۔ الحمد للہ

سوال: پاکستان، ہندوستان سے کئی علماء تبلیغی دوروں کے لیے جدید ترقی یافتہ ممالک میں تشریف لے جاتے ہیں، ان کی تبلیغ کتنی مؤثر ہے؟

جواب: جو علماء تبلیغی دوروں پر جاتے ہیں اگر دین کے ساتھ مخلص ہوں، تو ضرور ان کی تبلیغ مؤثر ہوتی ہے جیسے خلیفۂ اعلیٰ حضرت علامہ شاہ عبد العلیم صدیقی میرٹھی جن کا دنیا بھر میں طوطی بولتا ہے، آپ کے فرزند علامہ شاہ احمد نورانی، تاج الشریعہ حضرت مفتی اختر رضا خان الازہری، میرے پیر و مرشد علامہ سید شاہ تراب الحق قادری اور سفیر ہالینڈ علامہ سید سعادت علی قادری رحمۃ اللہ علیہم کے تبلیغی دورے اسلام کے لیے بہت مفید تھے۔ انہوں نے بڑی قربانیاں دیں، مساجد و مدارس قائم فرمائے، یہ حضرات لوگوں کے اندر ایمان کی چمک پیدا کر دیتے تھے، انہیں پکا سنی بنا دیا کرتے تھے ورنہ دور دراز علاقوں میں کہاں رضویت؟ کہاں مسلک اعلیٰ حضرت؟ کہاں مارہرہ کی باتیں؟ کہاں بریلی شریف کی باتیں؟ کہاں سمنان شریف کی باتیں؟ کچھوچھہ شریف کی باتیں؟ تو بزرگان دین کے تبلیغی دوروں سے بڑے اثرات مرتب ہوئے ہیں۔

اب ایسا بھی ہو رہا ہے کہ اکثر لوگ جو دوروں پر پاکستان، ہندوستان سے بیرون ملک جاتے ہیں وہ مال جمع کرنے جاتے ہیں، ان کا مقصد یہی ہوتا ہے، وہ لوگوں کی ذہن سازی نہیں کرتے، لوگوں میں روحانیت پیدا نہیں کرتے، جن کے گھروں میں قیام کرتے ہیں ان کے گھر فحاشی کے اڈے بنے ہوتے ہیں لیکن انہیں خبر نہیں ہوتی۔

پھر اکثر تو تبلیغ کے لیے بھی جدید ترقی یافتہ ممالک میں جاتے ہیں، جس کا خاطر خواہ کوئی فائدہ نہیں ہو رہا، غریب اور پسماندہ علاقوں میں تبلیغ دین کے لیے نہیں جاتے، کیونکہ وہاں مال ملے گا نہیں بلکہ لگانا پڑے گا، آپ براعظم افریقہ کو لے لیجیے اس میں ۵۴ ممالک ہیں، عیسائی مشنریز اور یہودیوں کی تنظیموں نے قبضہ کر رکھا ہے، ہندو کام کر رہے ہیں، سکھ کام کر رہے ہیں، قادیانی کام کر رہے ہیں۔ ہمارے لوگ آتے ہیں افریقہ کے چھ سات ممالک کا دورہ کر کے چلے جاتے ہیں، جیسے ملاوی، موزمبیق، موریشیس،

تنزانیہ، زمبابوے، زامبیا۔ باقی جو ۴ ممالک ہیں ان کا طرف رخ نہیں کرتے، جس کا نقصان یہ ہوا کہ وہاں مسلمانوں میں دین داری بہت کم ہوگئی، فحاشی و بدکاری اور سودی کاروبار بہت بڑھ گیا ہے بلکہ ہزاروں افراد مرتد ہو چکے ہیں۔

کچھ تو ایسے بھی تھے جو تبلیغ دین کی غرض سے آئے لیکن خود بے عمل، وہاں مساجد میں نظر نہیں آتے، بس پروگرام میں آئے، جوش خطابت سے لوگوں کو محظوظ کیا اور پھر اپنی رہائش گاہ پر، سیٹھوں کے گھر میں قیام کیا اور اپنے ملک چلے گئے۔

اصل کام جو کر سکتا ہے وہ مسجد کا امام ہے، اس کی ذمہ داری زیادہ ہے جو دورہ پر آئے گا وہ کچھ دنوں میں واپس چلا جائے گا، لوگوں سے تعلق قائم رکھنا امام کے ذمہ ہے، انہیں دین کی طرف مائل کرنا امام کا کام ہے، جتنا امام مضبوط ہوگا اتنا اچھا کام ہوگا۔

یہاں یہ بھی کہوں گا کہ امام کو لوگوں سے دنیا کے معاملہ میں دور بھاگنا ہوگا، مجھے ملاوی میں لوگ اپنے گھر پر بلاتے ہیں میں نہیں جاتا ہوں، مجھے کمیٹی والوں نے آفر کی کہ آپ گاڑی رکھیں میں نے کہا گاڑی نہیں چاہیے آپ نماز پڑھنے مسجد آجائیں۔ مجھے خلیفۂ حضور مفتی اعظم ہند شیخ عبد الہادی صاحب نے ایک مرتبہ فرمایا کہ حضور مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: **من استغنی اغناہ اللہ**۔ تو میرا بھی یہی اصول ہے، شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: دنیا سے جتنا دور بھاگو گے دنیا اتنا آپ کے پیچھے آئے گی، گاڑیوں کی لائنیں لگی ہوئی ہیں، کوئی کہے گا میرے ساتھ آئیں، کوئی کہے گا میرے ساتھ آئیں۔

سوال: حضور ملاوی میں مساجد کے علاوہ آپ کی نگرانی میں کتنے ادارے کام کر رہے ہیں؟

جواب: ملاوی میں ایک گاؤں ہے مسولا، وہاں عبد القادر پرائمری اسکول میں نے قائم کروائی جس میں اس وقت ۱۵۰ بچے تعلیم حاصل کر رہے ہیں، مکاومبا گاؤں میں غریب نواز اسکول قائم کی وہاں ۲۲۰ بچے زیر تعلیم ہیں، اس اسکول سے متّصل ایک وسیع جگہ خرید لی گئی ہے جہاں شاندار دار العلوم بنانے کا ارادہ ہے۔ یہ دونوں اسلامی اسکول ہیں، یہ ملاوی میں پہلی بار ہوا ہے، ورنہ مسلمانوں کے بچے عیسائیوں کی اسکول میں تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ اگست ۲۰۲۱ میں قرآن اکیڈمی کا قیام عمل میں آیا، اس میں بطور پرنسپل فرائض انجام دے رہا ہوں، ۲۶ رہائشی ۲۵ غیر رہائشی طلبہ یہاں پڑھ رہے ہیں۔

ایک رفاہی تنظیم غریب نواز فاؤنڈیشن کی بنیاد رکھی جس کے تحت مختلف گاؤں اور دیہاتوں میں ہر ماہ سینکڑوں خاندانوں کی کفالت کا سلسلہ جاری ہے۔

سوال: آپ کی تصنیفی خدمات سے متعلق کچھ ارشاد فرمائیں۔

جواب: فتاوی کے حوالہ سے پہلے عرض کر چکا ہوں کہ تقریباً دو ہزار سے زائد فتاوی لکھ چکا ہوں جن کا مکمل ریکارڈ میرے پاس محفوظ ہے، فتاوی الفیضان جلد اول کے نام سے ایک کتاب بھی شائع ہو چکی ہے جو میرے چند فتاوی کا مجموعہ ہے۔

حضرت علامہ سید شاہ تراب الحق قادری رحمۃ اللہ علیہ کی ۱۵ کے قریب تقاریر کیسٹ سے سن کر تحریر کیں جو سب چھپ چکی ہیں جن میں بالخصوص "تحریک پاکستان میں علماء اہلسنت کا کردار" جسے جمیعت اشاعت اہلسنت (نور مسجد میٹھادار کراچی) نے مفتی اہلسنت مفتی عطاء اللہ نعیمی صاحب کے حواشی اور تخریج کے ساتھ شائع کیا ہے۔ "اعلحضرت بحیثیت سیاسی مفکر" میرا ایک ریسرچ پیپر تھا جسے کراچی یونیورسٹی میں پیش کیا تھا۔

ماہنامہ مصلح الدین ۲۰۰۵ تا ۲۰۰۸ کی پروف ریڈنگ کی، فتاویٰ حنفیہ اشرفیہ کی دو جلدوں میں موجود تمام عربی عبارات، عرفان منزل ۲ اور کثیر کتب ورسائل کی پروف ریڈنگ کی۔

خلیفہ مفتی اعظم ہند حضرت مولانا عبدالھادی صاحب نے درج ذیل کتب کا انگریزی میں ترجمہ کیا جن کی مکمل پروف ریڈنگ کرنے کی سعادت ملی؛الدولة المكيه بالمادة الغيبية، الزلال الانقى،مطلع القمرين،سراج العوارف فى الوصايا والمعارف، اخبار الاخیار، فتاوی رضویہ کے منتخب فتاوی، مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت اللؤلؤ والمرجان فى سيرة آل رحمن۔

مفتی نسیم اشرف حبیبی رحمۃ اللہ علیہ (ساؤتھ افریکہ) کی حضرت علامہ شاہ عبدالعلیم صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت پر ایک کتاب بنام سلطنت مصطفی ﷺ کا سفیر جس کا انگریزی میں ترجمہ ان کی صاحبزادی نے کیا، اس انگریزی کتاب کی بھی مکمل پروف ریڈنگ میں نے کی۔

یہ چند تحریری خدمات ہیں اللہ تعالی قبول فرمائے۔

سوال: آپ کن شخصیات سے بہت زیادہ متاثر ہیں؟

جواب: سب سے زیادہ میں جن سے متاثر ہوں وہ میرے پیر و مرشد حضرت علامہ سید شاہ تراب الحق قادری رحمۃ اللہ علیہ کی ذات ہے، میں نے آپ کی ذات کو بہت قریب سے دیکھا ہے، آپ ولی کامل، صوفی باصفا اور عالم باعمل تھے۔ آپ کے بعد علماء میں زیادہ متاثر استاد محترم حضرت علامہ محمد عمران ضیائی صاحب سے ہوں، آپ میری نظر میں سب سے بہترین مدرس اور علوم وفنون کے بادشاہ ہیں۔

سوال: نئے مبلغین ہیں جو باہر جانے کی خواہش رکھتے ہیں؟ انہیں آپ کیا پیغام گے؟

جواب: اچھا سوال ہے آپ کا، سب سے پہلی بات تو یہ کہ درس نظامی محنت سے پڑھیں، ساتھ یہ بھی کہوں گا کہ درس نظامی میں تقابل ادیان کو شامل کیا جائے، میں جب ملاوی وسطی افریقہ گیا، تو مجھے معلوم ہی نہیں تھا کہ بائبل کیا ہے؟ توریت کیا ہے؟ زبور کیا ہے؟ نیز عیسائیوں میں کتنے فرقے ہیں، تو مدارس میں تقابل ادیان لازمی پڑھایا جائے۔

دوسری بات یہ کہ علماء کرام کو صحابہ کرام اور اولیاء کاملین کی سوانح اور کتب تصوف کا لازمی مطالعہ کرنا چاہیے، روحانی طور پر بھی تربیت ہونی چاہیے، عالم بننے کے ساتھ عملیات کی پابندی بھی ہونی چاہیے۔

تیسری بات یہ کہ انگریزی زبان میں مہارت ہونی چاہیے جو کہ اس زمانے میں لازمی ہے، انگریزی اور عربی میں بہت محنت کریں، عربی اور انگریزی نہ آئے تو باہر ممالک میں آپ کیسے کام کریں گے؟

چوتھی بات یہ کہ مدارس اور دینی تنظیمیں اپنی ٹیمیں بنا کر باہر کام کرنے کے لیے افراد بھیجیں، بہترین علماء کا انتخاب کریں، وہ ممالک جو ترقی یافتہ نہیں ہیں ان میں اسلام کی زیادہ ضرورت ہے وہاں علماء کو بھیجیں۔

اس وقت ہمیں لیڈر (Leader) بنانے کی ضرورت ہے، مبلغین کی ضرورت ہے، امام اچھا ہونا چاہیے، اس کی تلاوت اچھی ہونی چاہیے، اس زمانے میں سب سے اچھی تلاوت وہابیوں کی ہے، اچھے مقرر بھی ان کے پاس ہیں، انگریزی میں متاثر کن گفتگو کرنے والے بہت ہی کم ہیں جو انٹرنیشنل لیول پر ہماری بات پہنچائیں، انگریزی کے اسپیکر تیار کرنا ہمارے لیے ایک بڑا ٹارگٹ ہے، یہ تین چار چیزیں اگر ہم کر لیں تو بیرون ملک باآسانی تبلیغ دین کا فریضہ انجام دے سکتے ہیں۔

ختم شد

عہد حاضر

کرناٹک کا "حجابی معاملہ" اور "بعض" مسلمانوں کا "دوہرا" رویّہ

بلال حنفی

محترم قارئین! اس وقت کرناٹک (انڈیا) میں "حجاب" سے متعلق پابندی کو لے کر سوشل میڈیا پر کافی گرما گرمی دیکھنے میں آرہی ہے۔ "مُسکان" نامی طالبہ کی ویڈیو جنگل کی آگ کی طرح ہر طرف پھیل چکی ہے اور تقریباً ہر مسلمان ہی طالبہ کے جوش و جذبے کو "اپنے اپنے انداز" سے خراجِ تحسین پیش کررہا ہے۔

انڈیا میں مسلمانوں کو کن مذہبی، سیاسی اور سماجی حالات کا سامنا ہے؟ نیز مذکورہ معاملہ کیوں اور کیسے شروع ہوا؟ اور کب اور کیسے ختم ہوگا؟ یہ موضوعِ تحریر نہیں ہے۔ یقیناً انڈیا کے "دردمند" مسلمان برسوں سے ایک جہدِ مسلسل میں مصروف ہیں اور میلوں دور بیٹھ کر ان کو درپیش مشکلات کا اندازہ لگاپانا بلاشبہ نہایت مشکل امر ہے۔

کرناٹک کا "حجابی معاملہ" گوکہ اب تک دنیا کے سامنے بے حجاب ہوکر ایک عالمی خبر بن چکا ہے اور پرنٹ میڈیا سے لے کر الیکٹرانک میڈیا تک اس معاملے کی دھوم دھام ہے، تاہم جو جوش و جذبہ اور اظہار رائے کی آزادی کا کھلا استعمال سوشل میڈیا پر دیکھنے میں آرہا ہے وہ قابلِ دید ہے۔ (یاد رہے! میں نے "قابلِ دید" لکھا ہے، "قابلِ داد" نہیں۔)

طالبہ "مُسکان" کو "میسور کی شیرنی، دخترِ ملت، شیر دل، شاہین صفت، قوم کی بہادر بیٹی، اسلام کی شہزادی" اور نہ جانے کن کن القابات سے نوازا جارہا ہے اور سوشل میڈیا پر ان القابات کے "# Hashtag" بھی چلائے جارہے ہیں۔ اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ کافروں کے کفریہ نعروں کے جواب میں صنف نازک ہونے کے باوجود تن تنہا نعرہ توحید بلند کرنا "ایمانی غیرت" کا منہ بولتا ثبوت تھا، البتہ تعریف و ثنا کے گجرے نچھاور کرنے اور بڑھ چڑھ کر زمین و آسمان کے قلابے ملانے والوں سے صرف اتنا کہنا چاہوں گا کہ **"سوشل میڈیا پر آنے والی کسی بھی خبر پر فوراً تبصرہ، حمایت یا مخالفت کرنے کے بجائے چند دن انتظار کرنا چاہیے تاکہ صورت حال واضح ہوجائے، ایسا نہ ہو کہ جلد بازی میں کی گئی تعریف یا تذلیل کل کو پھندا بن جائے اور شرمندگی اٹھانی پڑے۔"** "دانشمندا را اشارہ کافی است۔" (ماضی میں ایسے درجنوں تلخ واقعات ہوچکے ہیں۔)

اس منظر نامے کی ایک جانب ایسی ہے جسے "Dark side" کہیں تو بے جا نہ ہوگا۔ نعرہ توحید کا "# Hashtag" چلانے والے اور طالبہ کی سپورٹ میں اپنی "انگلیوں، موبائل کی بیٹری اور انٹرنیٹ کا ڈیٹا" بے دریغ استعمال کرنے والے ہمارے پاکستانی "بعض" مسلمان اس وقت "مقدس ڈرامے" میں نہایت بھونڈی "اداکاری" کرتے نظر آرہے ہیں۔ میں یہ بات برجستہ لکھنا چاہتا ہوں کہ **"مذکورہ حجابی معاملہ "بعض" پاکستانی مسلمانوں کے لئے "حجاب کا معاملہ" نہیں، بلکہ صرف ایک "نئی تفریح" کا سامان ہے۔"** جس چیز کو یہ اپنی "ایمانی حرارت" سمجھ رہے ہیں وہ صرف "شیطانی آگ" ہے۔ جو "خوشبو" ان کے مشام جاں کو معطر کررہی ہے وہ درحقیقت "حِسِّ فاسد کا نتیجہ اور نفسانی دھوکا" ہے۔ ہوسکتا ہے یہ جملے بعض طبیعتوں پر گِراں گزریں، لیکن فی الواقع بات یہی ہے، کیونکہ بالفرض اگر ہمارے "بعض" مسلمانوں کا کرناٹک کے "حجابی معاملے" پر خون کھول رہا ہے، ہماری بہن بیٹیوں کی چادر کا تقدّس خطرے میں دیکھ کر ان کا دل و دماغ اضمحلال و اضطراب جیسی کیفیات کا شکار ہورہا ہے اور یہ سارا معاملہ ان کی "ایمانی غیرت" کو للکار رہا ہے تو مجھے پوچھنے دیجئے کہ

جب ان کے گھروں کی خواتین بے پردہ گھر سے باہر نکلتی ہیں، شاپنگ سینٹرز اور تفریح گاہوں میں بے باکانہ گھومتی ہیں اور غیر

مردوں سے ہنس ہنس کر باتیں کرتی ہیں تب ان کی غیرت چھپ کیوں جاتی ہے!!

جب ایسوں کی بہن بیٹیاں روڈوں پر نکل کر ''لعنت مارچ'' کرتے ہوئے ''میرا جسم میری مرضی!''، ''اپنا بستر خود گرم کرلو!'' جیسے حیاسوز نعرے لگاتی ہیں اور باحجاب خواتین پر دل کھول کر ہرزہ سرائی کرتی ہیں تب ان کی غیرت بہری کیوں ہوجاتی ہے!!

جب کلچرل پروگرامز، خوشی کے تہوار، شادی بیاہ اور دیگر تقریبات کے نام پر ان کی بہن بیٹی اپنی چادر کو تار تار کرکے انہی کے خرچے سے بے حجاب ہوکر غیر مردوں کے رُوبرو حیا کی میّت کو کفنا کر بلکہ دفنا کر اپنا انگ انگ لہرا رہی ہوتی ہے تب ان کی غیرت اندھی کیوں ہوجاتی ہے!! (ایسے موقع پر مابدولت بھی سامنے ہی بیٹھ کر اپنی حرام تربیت کی ناجائز اولاد کو پروان چڑھتا دیکھ رہے ہوتے ہیں۔)

جب قرآن، حدیث اور سنت کی تعلیم کو پس پشت ڈال کر اپنی کمسن بچیوں کو غیر مسلموں کے اسکولوں اور کالجز میں ''فحش لٹریچر'' پڑھواتے ہیں، بلکہ اس تعلیم کا ''کچھ حد تک'' پریکٹیکل کر لینے کو بھی رَوا رکھتے ہیں تب ان کی غیرت گونگی کیوں ہوجاتی ہے!!

جب گھر کی چار دیواری میں بہن بیٹیاں حیاسوز مناظر سے بھرپور فلمیں، ڈرامے ''وغیرہ وغیرہ'' دیکھتی ہیں اور انٹرنیٹ کی دنیا میں جہاں، جتنا اور جیسا ''تخلیہ'' کرنا چاہتی ہیں کرتی ہیں تب ان کی غیرت لُنجی کیوں ہوجاتی ہے!!

جب نعرہ تکبیر بلند کرنے والی طالبہ کو ''شیرنی'' کا خطاب دینے والے یہ ''گیدڑ'' کبھی ٹی وی پر تو کبھی ''بنفس غلیظ'' جاکر خواتین کی ''Cat walk'' دیکھتے اور خوب داد دیتے ہیں تب ان کی غیرت لنگڑی کیوں ہوجاتی ہے!!

سچ تو یہ ہے کہ ایسے ''بعض'' لوگوں کی غیرت کب کی اندھی، بہری، گونگی، لُنجی اور لنگڑی ہوکر نہایت اذیت ناک موت مر چکی ہے اور اب اس کی بھولی بسری کوئی یاد کبھی کبھی آکر ان سے چمٹ جاتی ہے جس کی وجہ سے ان سے ایسے کام ہوجاتے ہیں جیسے اب ہو رہے ہیں۔ **''ایسی غیرت'' کو اگر ''بے غیرتی'' کہیں تب بھی ''حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا۔''**

آج خود کو سچا مسلمان کہلوانے کے بجائے سچا مسلمان بن کر دکھانے کی ''زیادہ'' ضرورت ہے۔ یکم فروری کو عالمی سطح پر ''یوم حجاب'' منانا اور بالعموم سارا سال، جبکہ بالخصوص ۸ مارچ کو اسی حجاب کی عزت و حرمت کی دھجیاں بکھیرنا، نیز زبان سے ''اللہُ اکبر'' کہنا اور عمل ''جے شِری رام'' والے کرنا خالص منافقت نہیں تو اور کیا ہے!!

دو رنگی چھوڑ، یک رنگ ہوجا
سراسر موم ہو، یا سنگ ہوجا

اگر انڈیا سے بلند ہونے والے ''نعرہ تکبیر'' سے دل میں تپش محسوس ہو رہی ہے تو اِس تپش کو آگ میں بدل دیجئے۔ اگر حجاب مسلمان عورت کی ناموس کا ''مُحافظ'' محسوس ہو رہا ہے تو آج بلکہ ابھی اپنا ''حَرَم'' اس ''مُحافظ'' کے سپرد کر دیجئے۔ اگر انقلاب چاہتے ہیں تو ابتدا حجاب سے کرلیجئے۔ اپنی بہن بیٹیوں کو پردے کی اہمیت سے روشناس کروائیے اور انہیں پیار محبت سے بے پردگی سے بچائیے، کیونکہ

حجاب ''New fashion'' ہے، جبکہ بے حجابی زمانۂ جاہلیت کا ''Old fashion'' ہے۔ حجاب ''آزاد عورت'' کی علامت ہے، جبکہ بے حجابی ''کنیزوں'' کی علامت ہے۔ حجاب ''جنت کا پتّا'' ہے، جبکہ بے حجابی ''جہنم کا کانٹا'' ہے۔

اسلام کی شہزادیوں کو جدید فیشن اپنانے کا ذہن دیجئے، حجاب کا جھومر اور چادر کا زیور زیب تن کروائیے، پھر دیکھئے! کیسا انقلاب آتا ہے۔ حقیقی بھرم یہی ہے کہ ''حَرَم'' لوگوں کی نظر سے بچا رہے۔ اپنا ''بھرم'' قائم کیجئے اور ''حَرَم'' صرف ''مَحرم'' تک محدود رکھئے۔

یاد رہے! ''عورت'' وہی ہے جو ''عورت'' ہو، جو ''عورت'' نہ ہو وہ ''عورت'' نہیں۔

سرگزشت

مدرسہ انوار القرآن قادریہ رضویہ میں آٹھ سال

ابوالحسنین علامہ اسامہ قادری

2014 کی ایک خوبصورت رات کا ذکر ہے اور یہ وہ مبارک رات تھی، جس کو لیلۃ الجائزہ کہا جاتا ہے جس میں مزدوروں کو ان کی مزدوری سے نوازا جارہا ہوتا ہے، اس رات عثمان غنی مسجد ٹھٹائی کمپاؤنڈ میں مدرسہ انوار القرآن قادریہ رضویہ کی جانب سے منعقد کردہ لیلۃ الجائزہ کی محفل میں جانے کی سعادت نصیب ہوئی۔ دوران محفل مدرسہ انوار القرآن قادریہ رضویہ لائٹ ہاؤس برانچ کی کارکردگی کو ذکر کیا گیا اور رمضان کے بعد شروع ہونے والے کورسز کا بھی ذکر کیا گیا۔ اسی میں ایک کورس درس نظامی کا بھی تھا، جس میں داخلہ لینے کا خواہش مند میں پچھلے سال سے ہی تھا مگر میرے علم میں یہ بات نہیں تھی کہ یہاں بھی درس نظامی کروایا جاتا ہے۔ اختتامی دعا کی بعد ایک شخص جس کا نام محمد شاہ رخ قادری ہے جن کو ہم قادری صاحب کہتے ہیں، آواز لگا رہے تھے کہ درس نظامی کا فورم لیتے جائیں اور لے جائیں تو پھر داخلہ بھی لیں۔ (قادری صاحب کے بارے میں آگے چل کے ذکر کروں گا کہ یہ اللہ کا بندہ میرے کتنا کام آیا ہے) بہرحال میں اور میرے بہنوئی (محمد فرحان داؤد) نے اس عزم کے ساتھ فورم لیا کہ ہم مل کر پڑھنے جائیں گے لیکن ہمارے بہنوئی نے ایک سال ہی میں ہمارا ساتھ چھوڑ دیا، وہ اپنی مصروفیات کے باعث مزید ساتھ دینے سے قاصر رہے۔

یہاں یہ بات ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ میرا درس نظامی میں آنے کا ذہن کیسے بنا؟ کیونکہ اگر اس وقت ذہن سازی نہ ہوتی تو آج اس مقام تک نہ پہنچ پاتا۔ اس ذہن سازی کا خلاصہ کچھ یوں ہے کہ باقاعدہ علم دین سیکھنے کا آغاز شارٹ کورسز کے ذریعے کیا جیسے عقائد اسلام کورس، زکوۃ کورس، احکام روزہ کورس اور حقوق زوجین کورس وغیرہ۔ ان تمام کورسز کی تکمیل زینت الفقہاء حضرت علامہ مفتی محمد اکمل مدنی سے کی، مفتی صاحب انتہائی عام فہم، سہل انداز اور اپنے تجربات کی روشنی میں پڑھاتے تھے، دوران گفتگو وہ بار بار علم کی اہمیت اور درس نظامی کرنے کی ترغیب دلاتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ ان کے طلباء کی دستار فضیلت میں شرکت کی توفیق ملی جس میں حضور مرد مومن مرد حق حضرت علامہ سید شاہ تراب الحق قادری رحمۃ اللہ تعالی علیہ بھی تشریف لائے تھے۔ اس پروگرام میں قبلہ مفتی صاحب کے بیان کو سن کر میرے اندر درس نظامی کرنے کا جذبہ پیدا ہوا۔ میں نے ارادہ کر لیا تھا کہ میں درس نظامی کا آغاز مفتی صاحب کے پاس کروں گا۔ ان دنوں کراچی کے حالات اچھے نہیں تھے اس وجہ سے والدہ نے ان کے انسٹیٹیوٹ میں جانے کی اجازت نہیں دی کیونکہ یہ گھر سے دور تھا۔ بہرحال ایک سال یوں ہی گزر گیا اور رب کے فضل سے جذبہ برقرار رہا۔ پھر مجھے مدرسہ انوار القرآن قادریہ رضویہ لائٹ ہاؤس کے بارے میں معلوم ہوا جو کہ میرے گھر کے قریب تھا تو اس بات کی اطلاع میں نے اپنی والدہ کو دی اور یہاں داخلہ لے لیا۔

اللہ عزوجل کے ہر کام میں ہزارہ حکمتیں ہوتی ہیں چاہے ہمیں سمجھ میں آئیں یا نہ آئیں۔ اللہ عزوجل اپنے بندوں کے بارے میں بہترین فیصلہ فرمانے والا ہے۔ جس سال میں ایڈمیشن نہ لے سکا تو اسی دوران میں ACCA کا بھی اسٹوڈنٹ تھا، آخری پیپرز میرے باقی تھے جس میں سے ایک پیپر میرے لیے دردسر بنا ہوا تھا اور جاب بھی چل رہی تھی۔ تو درس نظامی میں داخلہ لینے سے پہلے اس پیپر کو میں نے دوبارہ دیا اور اللہ عزوجل سے دعا کی مجھے اس پیپر میں

کامیابی عطا فرما دے تاکہ میں درس نظامی کا آغاز کر سکوں۔ اللہ عزوجل کا کرم ہوا میری دعا نے اجابت کا جوڑا پہنا، پیپر بھی نکل گیا، اور ہم ACCA Qualified ہوگئے پھر درس نظامی کا آغاز بھی ہوگیا۔

یہ اس مدرسے کا دوسرا بیچ تھا جس میں میں نے داخلہ لیا تھا۔ ہم کم و بیش ۳۵ کے قریب افراد تھے جنہوں نے درس نظامی میں داخلہ لیا تھا۔ اس کلاس میں جب آنا نصیب ہوا تو میرے بہنوئی کو ملا کر ایک اور شخصیت کو میں پہلے سے ہی جانتا تھا جن سے میری ملاقات مفتی اکمل صاحب کے انسٹیٹیوٹ میں ہوتی رہتی تھی وہ تھے عبدالرؤف صاحب جن کا بیٹا احمد عبدالرؤف ہمارے دورۂ حدیث کا ساتھی بھی ہے۔ یہ دونوں باپ بیٹے بھی پڑھنے کے لیے ساتھ تشریف لایا کرتے تھے۔ مگر ابا حضور مصروفیت کے باعث آئندہ سالوں میں اپنے بیٹے کا ساتھ چھوڑ گئے، یوں سمجھیے کہ ابا حضور اپنے بیٹے کو ٹریک پر لگا کر اساتذہ کے حوالے کر کے چلے گئے۔

اس مدرسے میں سب سے پہلے جس استاد سے پڑھا وہ حضرت علامہ مولانا محمد انس رضا قادری بندیالوی ہیں، میرے محسن بھی ہیں، لیڈر بھی ہیں، انہی کے سبب بولنے کی اور لکھنے کی طاقت نصیب ہوئی ہے، حضرت ایک جلالی شخصیت ہیں، خوب جلال فرمایا کرتے تھے، لیکن جب وہ ڈیرہ اسماعیل خان سے واپس تشریف لائے تو انکی طبیعت کا جلال کم ہوگیا۔ انہوں نے ہمیں پہلے سال صرف پڑھائی ہے اور پھر جس طرح وہ (ضرب یضرب) کرواتے تھے وہ آج بھی یاد ہے، بخشش توان کے پاس سے بہت کم ملا کرتی تھی۔ استاد صاحب کا درس و تدریس بہترین ہے، مثالیں دے کر سمجھایا کرتے ہیں، دوران تدریس سبق سے متعلق دور جدید کے مسائل پر بھی گفتگو ہوا کرتی تھی۔ کبھی کبھار استاد صاحب ہمیں تصوف کے میدان کا بھی سفر کروایا کرتے تھے۔ سیاست میں آپ کی خاص دلچسپی ہے مگر استاد صاحب کسی پارٹی کے کارکن نہیں ہیں۔ حضرت کو علم الکلام، منطق اور فقہ پر کافی عبور حاصل ہے۔ مدرسے میں جن اساتذہ کے بارے میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ ان کا پیپر مشکل ہوتا ہے ان میں آپ صف اول پر موجود ہیں، طلباء کو چوائس دینا آپ کے اصول میں شامل نہیں ہے، یہ سب بھی ہماری تربیت کے لئے ہے تاکہ ہم مشکل چیزوں کو حل کرنا سیکھیں۔ اللہ عزوجل نے انھیں بہترین آواز سے نوازا ہے، یوں کہیے کہ استاد صاحب کو بیان کے لیے مائک کی ضرورت ہی نہیں ہے، ان کی آواز آپ کے کانوں کو ویسے ہی سیراب کر دے گی۔ درجہ اولیٰ میں استاد صاحب کی برکت سے ہی میں نے ہمت کر کے شرک کی حقیقت کے موضوع پر بیان کیا تھا، جس کے اختتام پر استاد صاحب نے اپنی رائے سے نوازہ کہ "اچھا کیا ہے، محنت کرو اور بہتری کی ضرورت ہے"۔ یہ ہمارے مدرسے کے صدر مدرس بھی ہیں، اور اپنے طلباء کو بلند مقام تک پہنچانے کے لئے کاوشیں کرتے رہتے ہیں۔ آپ ہی کی بدولت مجھے مختلف مقامات پر درس و بیان کرنے کی سعادت نصیب ہوئی ہے۔ استاد صاحب ایک بہترین مقرر بھی ہیں، بہترین لکھاری بھی ہیں اور مخزن علم کے چیف ایڈیٹر بھی ہیں۔ ان کی ایک عادت آج بھی دیکھنے کو ملتی ہے کہ جب بھی یہ کسی کلاس میں تشریف لے جاتے اپنے طلبہ کو کھڑے ہونے نہیں دیتے تھے جس طرح طلباء اپنے استاد کے احترام میں کھڑے ہو کر سلام کرتے ہیں تو یہ نہیں کرنے دیتے ہیں اور فرماتے ہیں "کیا تم لوگوں کے پاؤں میں کوئی تکلیف ہے یا کوئی مسئلہ ہے جو کھڑے ہو جاتے ہو، بیٹھ جاؤ"۔ وہ بھی کیا دن تھے جو گزر گئے۔

اس کے بعد جس استاد سے پڑھنے کی سعادت نصیب ہوئی وہ ہیں حضرت علامہ مولانا عطا کھتری صاحب ہیں۔ انہوں نے ہمیں نحو پڑھائی، ابتدائی اصول فقہ اور فقہ بھی انہی سے پڑھی ہے۔ حضرت علمی شخصیت ہیں، ٹھنڈے مزاج کے مالک ہیں اور اللہ

عزوجل نے انہیں بہترین لکھنے کی صلاحیت عطا فرمائی ہے۔ آپ بہت ٹھنڈے اور دھیمے لہجے سے پڑھایا کرتے تھے اور اپنے طلبہ کو بھائیوں کی طرح سمجھا کرتے تھے۔ دوران تدریس یہ اپنے طلبا کو پابندی کے ساتھ آنے اور چھٹی نہ کرنے کی ترغیب دلاتے رہتے تھے۔

اس کے بعد مدرسہ کی ہر دل عزیز شخصیت استاد حضرت علامہ مولانا سید احمد رضا مدنی ہیں۔ حضرت بھی جلالی شخصیت ہیں مگر بڑی محبت فرمایا کرتے تھے۔ مجھے مدرسے میں سبق یاد نہ ہونے کی صورت میں سب سے زیادہ سزا جس نے دی وہ یہی استاد صاحب ہیں۔ یہ سب کچھ وہ ہماری بھلائی کے لئے کرتے تھے وہ چاہتے تھے کہ ہم بہترین انداز میں پڑھ لیں۔ محبتوں کے یہ سلسلہ جاری تھا کہ استاد صاحب ہمیں چھوڑ کر نیوی میں چلے گئے۔ ان کے جانے سے کافی دکھ ہوا اور ہمیں امید تھی کہ شاید استاد صاحب واپس آئینگے مگر کچھ عرصے بعد وہ امید بھی ختم ہوگئی۔

دوران طالب علمی میں مجھے ایک بات تنگ کرتی تھی وہ یہ کہ جیسا اس علم کا حق ہے ویسا میں ادا نہیں کر رہا ہوں۔ کیونکہ جاب بھی تھی اور دیگر مصروفیات بھی تھیں۔ تو درس نظامی کو اتنا ٹائم نہیں دے پا رہا تھا۔ تو ایسے خیالات ذہن میں آتے تھے کہ جیسا اس کا حق ہے ویسا پڑھ نہیں رہے تو ایسا پڑھنے کا کیا فائدہ ہے۔ جب اس تکلیف کے سبب میں اپنے استاد سید احمد رضا صاحب کو میسج کرتا تھا تو وہ سمجھ جایا کرتے تھے کیونکہ وہ میرے حالات سے واقف تھے۔ اس کے بعد وہ تفصیل سے مجھ سے گفتگو فرمایا کرتے تھے اور سمجھاتے تھے "چھوڑنا نہیں ہے، مستقل آنا ہے، کوشش کرو، کچھ نہ ہونے سے کچھ ہونا بہتر ہے، شیطان کا وار ہے، چیزیں تمہیں کلاس میں سمجھ میں آرہی ہیں، اپنی محنت جاری رکھو اللہ کرم فرمائے گا"۔

اسی طرح ایک مرتبہ جب استاد عطا کھتری صاحب کو خبر ملی کہ آج اسامہ نے چھٹی کی ہے اور اس کے ارادے کچھ ٹھیک نہیں ہیں۔ تو اس رات حضرت مجھ سے مسلسل رابطہ میں رہے اور مجھے سمجھاتے رہے کہ آپ نے چھوڑنا نہیں ہے، آپ آئیں پڑھے آپ کو چیزیں سمجھ میں آرہی ہیں، کتاب کی عبارت سمجھ میں آرہی ہے، آپ کے لئے مسئلہ نہیں ہے آپ کوشش جاری رکھیں۔ یہ سب ان دنوں کی بات ہے جب استاد انس رضا صاحب پڑھنے کے لئے ڈیرہ اسماعیل خان تشریف لے جا چکے تھے۔

جب میں ثانیہ میں پہنچا تو اسی سال میرا نکاح بھی ہونا تھا۔ میری خواہش یہ تھی کہ میرا نکاح حضرت علامہ سید شاہ تراب الحق قادری رحمۃ اللہ علیہ پڑھائیں۔ اس سلسلے میں شاہ رخ قادری صاحب سے بات کی یہ وہی ہیں جن سے لیلۃ الجائزہ میں فارم لیا تھا، تو انھوں نے شاہ صاحب کے پاس ساتھ جانے کے لیے حامی بھر لی۔ طے یہ پایا کہ قادری صاحب بات کریں گے میں کوئی بات نہیں کروں گا۔ جب ہم مسجد حبیب پہنچے اور کمرے میں داخل ہوئے تو ایک نورانی چہرے والی شخصیت حضرت علامہ سید شاہ تراب الحق قادری رحمۃ اللہ علیہ جلوہ فرما تھے۔ بعد از سلام اور دست بوسی کہ ہم بیٹھ گئے کیونکہ حضرت کے پاس اور لوگ بھی موجود تھے۔ جب لوگ گئے تو ہم نے اپنا مدعا بیان کیا تو شاہ صاحب نے فرمایا: "ارے مولانا! نہ ہم میں طاقت ہے، نہ ہم چل سکتے ہیں، نہ پہلے جیسا بول سکتے ہیں کسی اور سے پڑھوالو"۔ اب قادری صاحب نے مجھے کہنی ماری کہ آپ بولیں میں نے اشارے سے کہا بھائی میں تو نہیں بولوں گا ہمت ہی نہیں تھی۔ پھر تھوڑی دیر شاہ صاحب خاموش رہنے کے بعد فرمایا "اس کا نام لکھ لو"۔ اس کے بعد قادری صاحب اور شاہ صاحب سیاسی گفتگو کرتے رہے اور میں لطف اندوز ہوتا رہا۔ کچھ دنوں بعد ہمارے مدرسے کے سامنے ایک ڈینٹسٹ کے پاس قبلہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے تو ہم مدرسے کے طلباء ان سے ملاقات کرنے پہنچ گئے۔ جب حضرت نے سب سے مل لیا اور آپ واپس جانے لگے تو ان کی ایک جانب قادری

صاحب تھے اور دوسری جانب میں پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔ پھر قادری صاحب کو کیا سوجھی کہ انہوں نے شاہ صاحب سے عرض کی کہ حضرت آپ نے اسامہ کا نکاح پڑھانا ہے، نکاح کے لیے ٹائم لینے ہم آپ کے پاس حاضر ہوئے تھے۔ تو قبلہ شاہ صاحب میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا "ہم نے تو آپ کو ٹائم نہیں دیا" میں نے عرض کی حضور آپ نے ہمیں ٹائم دیا ہے اس پر قبلہ شاہ صاحب علیہ رحمہ نے فرمایا "چلیں آپ کہتے ہیں تو ہم مان لیتے ہیں لیکن ہم کہیں حاضر نہیں ہوں گے"، اس پر میں نے عرض کی کہ میں آپ کے پاس آپ کی مسجد میں حاضر ہو جاؤں گا۔ پھر مقررہ تاریخ پر حضرت نے میرا نکاح فرمایا اور حضرت کے وہ جملے آج بھی یاد ہے جو انہوں نے نکاح پڑھانے کے بعد مجھ سے ارشاد فرمائے تھے "مولانا مبارک ہو"۔

پھر شادی کے بعد دعوتوں کا سلسلہ جاری رہا، اس پر انس استاد صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ بہت دعوتیں کھالیں، بہت چھٹیاں کرلیں اب مزید چھٹی کی گنجائش نہیں ہے۔ پھر اس کے بعد انس استاد صاحب ہمیں چھوڑ کر ڈیرہ اسماعیل خان پڑھنے چلے گئے۔

انس استاد صاحب کے جانے کے بعد ہمارے مدرسے کو حضرت علامہ مولانا مفتی عنایت اللہ نعیمی صاحب نے رونق بخشی۔ آپ آرام باغ مسجد کے امام بھی ہیں اور دارالعلوم نعیمیہ میں سینئر مدرس بھی ہیں۔ آپ سے ہم نے فقہ پڑھی، آپ اپنے وسیع تجربہ کی روشنی میں ہر مسئلے کو مثالیں دے کر سمجھایا کرتے تھے۔ کچھ عرصے بعد مفتی صاحب بھی ہم سے رخصت ہوگئے، آپ کے جانے کے بعد آپ کی کمی کو ہم نے شدت سے محسوس کیا۔

پھر یوں وقت گزرتا رہا جب ہم درجہ رابعہ میں پہنچے تو ہماری کلاس کی تعداد پانچ رہ چکی تھی۔ جس میں اشفاق احمد صاحب، فرحان بھائی، انس، احمد اور میں شامل ہوں۔ اللہ کے فضل سے یہی پانچ لوگ دورہ حدیث تک بھی ساتھ رہے۔ اشفاق احمد صاحب ایک گورنمنٹ آفیسر ہیں، چونکہ عمر میں بھی بڑے ہیں اور بزرگ شخصیت ہیں، اسی وجہ سے ان سے مذاق کا پہلو کافی کم۔

ہماری کلاس کی مشہور شخصیت نہ صرف ہمارے درمیان بلکہ اساتذہ کے درمیان بھی مشہور رہی ہے، جو پابندی اور استقامت کے ساتھ مدرسے آتے رہے، اس بات میں ان کا کوئی ثانی نہیں ہے وہ انس عبدالقدوس کی ذات ہے۔ ہماری کلاس کے کم عمر ساتھی احمد عبدالرؤف جو مستی مذاق میں ماسٹر کر چکے ہیں، عصری تعلیم میں یہ بی فارمیسی کر رہے ہیں، اللہ عزوجل اسے جلد پایہ تکمیل تک پہنچائے۔ پھر ہماری کلاس کے آخری کھلاڑی فرحان بھائی ہیں جن کا اپنا بزنس ہے، اللہ عزوجل ان کے کاروبار میں برکت عطا فرمائے۔ یوں ہماری کلاس کے سب لوگ مصروف شخصیات ہیں جس کے سبب اساتذہ سے بھی ہمیں ریلیف مل جایا کرتا تھا۔

پھر ہمارے مدرسے میں دیگر اساتذہ بھی تشریف لاتے رہے جیسے علامہ ارشد قادری صاحب، علامہ شہزاد مدنی صاحب، علامہ عطاء الرحمٰن صاحب۔ ان تمام شخصیات سے بھی ہم نے اکتساب فیض کیا پھر یہ بھی ہمیں چھوڑ کر چلے گئے۔ ان حضرات سے قبل علامہ فاروق مدنی صاحب ہمارے مدرسے میں تشریف لائے جو کہ دورۂ حدیث تک ہمیں پڑھاتے رہے۔ حضرت کا مزاج ٹھنڈا ہے، پڑھاتے بھی اچھا ہے۔ فاروق استاد صاحب کی سوچنے کی صلاحیت بہت اعلی ہے۔ اکثر و بیشتر آپ سائنس اور اسلام کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ درجہ سابعہ میں حضرت کی مدد کی بدولت "لاعدوی" پر ایک تحریر "کہنی سے ہاتھ ملانے تک کا سفر" لکھنے میں کامیاب ہوا تھا۔

جب ہم درجہ رابعہ میں تھے تو ہمیں ایک اور استاد علامہ مفتی فیضان رضا صاحب کی صحبت نصیب ہوئی۔ آپ زبردست عالم دین اور بہترین مدرس ہیں۔ آپ کا انداز تدریس بھی زبردست ہے۔ چیزوں کو مثالوں کے ذریعے سمجھانا آپ کی عادت ہے، فقہ پر

بھی آپ کو کافی عبور حاصل ہے یہی وجہ ہے کہ مدرسے کے طلبہ آپ سے فقہ پڑھنے کے خواہشمند رہتے ہیں۔ آپ کی تاریخ پر گہری نظر ہے۔ آپ کو اعلی حضرت امام اہلسنت رحمۃ اللہ علیہ سے بے پناہ محبت ہے۔ دوران تدریس آپ اعلی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف، فتاوی جات کا ذکر فرماتے رہتے ہیں اور ان کو پڑھنے کی ترغیب دلاتے رہتے ہیں۔ حافظہ آپ کا کمال کا ہے، صحابہ کرام علیہم الرضوان کے واقعات اور حالات ایسے بیان کرتے ہیں جیسے کتاب سے پڑھ کر سنا رہے ہوں۔ آپ مدرسے کی وہ شخصیت ہیں جن کی سختی کی وجہ سے مدرسہ کے طلبہ آپ کے سامنے سیدھے رہتے ہیں۔ چھٹی کرنے پر اور مطالعہ نہ کرنے پر آپ شدید گرفت فرمایا کرتے ہیں۔ میں اور فرحان بھائی اتفاق سے ایک کے بعد ایک چھٹی کرتے تھے یعنی پہلے وہ کرتے تھے پھر میں کرتا تھا۔ چونکہ ہم دونوں شادی شدہ ہیں، تو فیضان استاد صاحب نے ہمارے لئے ایک لفظ ترتیب دیا ہوا تھا یعنی "سرکاری چھٹی"۔ اس سے مراد فیملی چھٹی ہے۔ اگر ہم میں سے کوئی بھی ایک چھٹی کرلے تو وہ دوسرے سے فرماتے تھے کہ اب تمہاری باری ہوگی سرکاری چھٹی کی۔ حضرت کی گرفت بہت پکی ہوتی تھی جو کہ ہماری تربیت کے لئے ضروری تھی اور پھر محبت بھی فرمایا کرتے تھے سمجھاتے بھی تھے۔ حضرت سے ہم نے فقہ، فلسفہ، میراث، بخاری اور ترمذی پڑھی ہے۔

یہ تو وہ ہستیاں ہیں جن سے میں نے براہ راست اکتساب فیض کیا ہے اور ان کی مدد سے آگے بڑھتا رہا ہوں۔ کچھ لوگ اور بھی ہیں جو پس پردہ رہ کر میری مدد کرتے رہے اور میرے اس سفر میں ساتھ ساتھ رہے ہیں۔ جن میں سب سے پہلے تو میرے گھر والے جن میں والدین ہیں جنہوں نے اس معاملے میں میرا بڑا ساتھ دیا ہے۔ جب میں نے اپنی والدہ سے کہا تھا کہ میں درس نظامی کرنے جا رہا ہوں تو میری والدہ نے کہا تھا بیٹا دیکھ لو تمہاری مرضی ہے کر سکتے ہو تو کرلو۔ اس کے بعد حال یہ تھا کہ مدرسے کی بغیر کسی وجہ کے چھٹی کرنے کی اجازت بھی نہیں تھی اور کبھی دیکھتی کہ میں مدرسے جانے میں سستی کر رہا ہوں اور پڑھائی کے حوالے سے میرے ارادے ٹھیک نہیں لگ رہے ہیں تو مجھے فرماتیں: "بیٹا! گئے تم اپنی مرضی سے تھے لیکن آؤ گے میری مرضی سے پورا کرکے" اس حوالے سے وہ مسلسل میرے لئے دعائیں کرتی رہتیں، پیپرز کے دوران کہیں آنے جانے کی اجازت نہیں ہوتی تھی۔ پھر والدین نے شادی کے بندھن میں باندھ دیا۔ اس کا ثمرہ یہ ظاہر ہوا کہ پہلے مدرسے کے حوالے سے اماں بولنے والی تھی، پھر اماں نے اس مقصد کے لیے اپنی بہو کو بھی تیار کر دیا۔ والدہ اپنی بہو سے خبر لیتی رہتی تھیں کہ اسامہ مدرسے گیا کہ نہیں گیا۔ اس عظیم مقصد کے حصول کے لیے میرے والدین نے اپنا وقت بھی اس کام کے لئے قربان کر دیا، یہ وہ وقت تھا جو میں اپنے والدین کے ساتھ بیٹھ کر گزارتا تھا۔ اسی طرح شادی کے بعد میرے بچوں کی ماں نے اس معاملے میں میرا بڑا ساتھ دیا ہے اور اس تعاون کا سلسلہ ابھی تک جاری ہے، انھوں نے دورۂ حدیث کا مقالہ لکھنے میں بھی میری مدد کی ہے۔ دن بھر آفس کی مصروفیات کے بعد شام کو لیٹ گھر آنا اور تھوڑی دیر بعد کھانا کھا کے واپس چلے جانا پھر رات کو دیر سے گھر آنا اس معاملے کو چلتے ہوئے کم و بیش سات سال کا عرصہ ہو چکا ہے۔ کبھی کبھار تو ایسا ہوتا تھا کہ مدرسے جانے کی نیت نہیں ہوتی تھی لیکن بچوں کی ماں کے کہنے کے سبب سے میری نیت پلٹ جاتی تھی اور میں مدرسے چلا جاتا تھا۔ میرے لیے رات میں ایسا کوئی کام نکال کے نہیں رکھا جاتا تھا جس کے سبب میں مدرسے نہ جا سکوں۔ پھر اللہ تبارک و تعالی نے اولاد کی نعمت سے نوازا تو جب بیٹا کچھ بڑا ہوا اور چیزیں سمجھنے لگا تو صبح جب آفس جاتا تھا وہ سو رہا ہوتا تھا پھر شام میں لیٹ آتا تو تھوڑی دیر اس کے ساتھ کھیلتا پھر میں مدرسے چلا جاتا تھا، (بقیہ صفحہ ۲۸ پر ملاحظہ فرمائیں)

بزم خیال

انسان کیا ہے؟ (دوسری قسط)

فرقان شبیر

کیا انسان کی ابتدا دنیا میں آنے سے ہوئی ہے؟؟؟

۲۔ عالم ارحام (Life in the womb)

انسان عالمِ ارواح کے بعد عالم ارحام (Life in the womb) میں آتا ہے،،، عالم ارحام سے مراد ماں کا رحم ہے،،، جس میں انسان کچھ مہینے گزارتا ہے،،، یہ بھی ایک پورا عالم (World) ہے،،، جس میں انسان باقاعدہ جسم و روح کے ساتھ بعض مہینوں تک اپنی ماں کے پیٹ میں رہتا ہے۔

قرآنِ کریم میں اللہ تعالی کا فرمان ہے:

وَ نُقِرُّ فِی الۡاَرۡحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی (الحج:۵)

ترجمہ: اور ہم جسے چاہیں ایک مقررہ مدت تک ٹھہرائے رکھتے ہیں ماؤں کے پیٹ میں۔

اس آیت مبارکہ کے تحت امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی: ۹۱۱ھ، ۱۵۰۵ء) نے در منثور میں صحاح ستہ کی تمام کتابوں سے ایک حدیثِ مبارکہ بیان فرمائی ہے:

عن عبد الله بن مسعود قال: حدثنا رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو الصادق المصدوق: «إن أحدكم يجمع خلقه في بطن أمه أربعين يوماً نطفة، ثم يكون علقة مثل ذلك، ثم يكون مضغة مثل ذلك، ثم يرسل إليه الملك فينفخ فيه الروح، ويؤمر بأربع كلمات، بكتب رزقه، وأجله، وعمله، وشقي أو سعيد»

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے ہر ایک کی پیدائش اس کی ماں کے پیٹ میں چالیس دن تک نطفے کی صورت میں جمع ہوتی ہے، پھر چالیس دن تک خون کے لوتھڑے کی صورت میں رہتی ہے، پھر چالیس دن تک گوشت کی بوٹی کی صورت میں، پھر اس بچے کی جانب (ماں کے رحم میں) فرشتے کو بھیجا جاتا ہے تاکہ فرشتہ اس بچے میں روح پھونک دے اور فرشتے کو چار چیزیں لکھ دینے کا حکم دے کر بھیجا جاتا ہے: رزق، عمل، موت کی مدت، بدبختی یا سعادت مندی۔

(در منثور، زیر آیت: سورۃ الحج، آیت: ۵)

اس حدیث طیبہ میں واضح طور پر موجود ہے کہ رحم میں موجود بچے کے جسم میں ۱۲۰ دن کے بعد روح پھونک دی جاتی ہے۔ وہ بچہ ماں کے پیٹ میں بالکل اسی طرح جسم و روح اور دل و دماغ کے ساتھ رہتا ہے جس طرح ہم انسان ان تمام چیزوں کے ساتھ عالم ناسوت (تصوف کی اصطلاح میں دنیا کو عالم ناسوت کہتے ہیں) میں رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ۱۲۰ دن کے بعد اسقاطِ حمل (بچے کو ضائع کر دینا) انسانی جان کی طرح قتل کرنے کے زمرے میں آتا ہے اور اسی سبب سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حمل گرانے والے پر دیت کو لازم فرمایا ہے۔

چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ ہُذیل کی دو عورتوں کے درمیان فیصلہ فرمایا جنہوں

نے آپس میں جھگڑا کیا تھا۔ ان میں سے ایک نے دوسری کو پتھر مارا جو اس کے پیٹ پر جا کر لگا۔ دوسری عورت حاملہ تھی، اس لیے اس کے پیٹ کا بچہ مر گیا۔ یہ معاملہ دونوں فریق سرکارِ دوعالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے پاس لے کر آئے تو آپ نے فیصلہ فرمایا کہ عورت کے پیٹ کی دیت ایک غلام یا لونڈی ادا کرنا ہے۔ جس عورت پر تاوان واجب ہوا تھا اس کے سرپرست نے کہا: میں اس کا تاوان ادا کروں، جس نے نہ کھایا نہ پیا نہ بولا اور نہ چلایا؟ ایسی صورت میں تو کچھ بھی دیت واجب نہیں ہو سکتی۔ اس پر سرکار دوعالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: یہ تو کاہنوں کا بھائی معلوم ہوتا ہے۔ (صحیح البخاري، حدیث: ۵۷۵۸)

فقہاء کرام رحمۃ اللہ علیہم نے بھی صراحت فرمائی ہے کہ ۱۲۰ دن کے بعد ماں کے رحم (Womb) میں بچہ گرا دینا انسان کے قتل کی طرح ہے۔

غور کیجیے!!! رحم میں موجود بچے کو گرانا انسان کے قتل کی طرح کیوں قرار دیا گیا ہے؟؟؟ اور حدیث میں اس عمل پر دیت کو لازم کیوں کیا گیا؟؟؟ اس کا سبب یہی ہے کہ ۱۲۰ دن کے بعد بچے میں روح پھونک دی جاتی ہے اور اس کی زندگی، دنیا میں رہنے والے انسان کی طرح ہوتی ہے، ماں کا رحم ایک پورا عالم ہے، جس میں بچہ زندگی گزارتا ہے اور وہ وہاں اپنی استطاعت کے مطابق چیزوں کو سمجھتا ہے اور محسوس بھی کرتا ہے۔

آپ نے سنا ہوگا کہ ہمارے بعض اسلاف (predecessor) میں سے ایسی شخصیات بھی گزری ہیں جنہوں نے ماں کے پیٹ میں قرآن کریم کے کئی پارے حفظ کر لیے:

سیدی غوث اعظم شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی: ۵۶۱ھ، ۱۱۶۶ء) پانچ برس کی عمر میں جب پہلی بار بِسْمِ اللّٰهِ خوانی کی رَسم کے لئے کسی بُزرگ کے پاس بیٹھے تو اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ اور بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھ کر سورہ فاتحہ اور الٓمّٓ سے لے کر ۱۸ پارے پڑھ کر سنا دیئے۔ اُن بُزرگ نے پُوچھا: بیٹے اور پڑھئے!!! فرمایا: بس مجھے اِتنا ہی یاد ہے، کیونکہ میری ماں رحمۃ اللہ علیہا کو بھی اتنا ہی یاد تھا، جب میں اپنی ماں کے پیٹ میں تھا، اُس وَقت وہ پڑھا کرتی تھیں، میں نے سُن کر یاد کر لیا تھا۔

(غوث پاک کی کرامات، بحوالہ الحقائق فی الحدائق، جلد: ۱، صفحہ: ۱۴۰)

خواجہ بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی: ۶۳۳ھ، ۱۲۳۵ء) نے بھی چار سال چار ماہ اور چار دن کی عمر میں اپنی رسمِ بسم اللہ کے موقع پر پورے ۱۵ پارے سنا دیئے۔ خواجہ حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ کے پوچھنے پر عرض کیا: کہ میری والدہ کو اتنے ہی یاد تھے میں نے ان سے، سن سن کر یہ یاد کر لیے۔ (ملفوظاتِ اعلیٰ حضرت، صفحہ: ۴۸۱)

ممکن ہے آپ کے ذہن میں یہ سوال ابھر رہا ہو کہ یہ تو اُن بزرگوں کی کرامات ہیں، آپ اپنے نقطۂ نظر (Point of view) پر ان واقعات سے کیسے استدلال کر سکتے ہیں؟؟؟ اس کا جواب یہ ہے کہ واقعی یہ ان شخصیات کی کرامات ہیں، سمجھانا صرف یہ مقصود (Purpose) ہے کہ کرامات کے لیے بھی کسی نا کسی عالَم (World) کا ہونا ضروری ہے اور عالم کے ساتھ ساتھ جسم و روح کا ہونا بھی ضروری ہے تب ہی تو کوئی چیز ثابت ہوگی، جب تک کسی شے کا وجود (Existence) ہی نہیں ہوگا تو وہ شے ثابت کیسے ہوگی۔

ان واقعات سے واضح ہے کہ ماں کا رحم بھی ایک پورا عالَم ہے، البتہ ہر کسی کی سمجھنے اور سمجھانے کی صلاحیت الگ الگ ہے، کسی کی کم اور کسی کی زیادہ۔

سائنسی تحقیقات بھی یہ ثابت کر رہی ہیں کہ ماں کے احساسات (Feelings) اور جذبات (Emotions) کا اثر رحم میں موجود

بچے پر براہِ راست (Straight) پڑتا ہے۔ جرمنی میں ہونے والی ایک ریسرچ سے ثابت ہوا ہے کہ ماں اگر ٹینشن کا شکار ہو تو اس کے رحم میں موجود بچہ بھی اس سے متاثر ہوتا ہے۔ یہ بھی پتہ چلا کہ اگر ماں انتہائی ذہنی دباؤ (Stress) میں مبتلا ہو تو اس کے جسم میں تناؤ کو موصول کرنے والے ہارمونز بظاہر ماں کے پیٹ میں پروش پانے والے بچے میں حیاتیاتی (Biological) تبدیلی لاتے ہیں اور یہ اس کے سخت شوہر کی وجہ سے بھی ہوتا ہے۔ تحقیق میں یہ بھی سامنے آیا کہ ہارمونز میں تبدیلی سے متاثر ہونے والے بچے بڑے ہو کر دباؤ کو جھیلنے کی اہلیت کم رکھتے ہیں؛ کیونکہ یہ اپنی زندگی کی ابتدا میں ہی ذہنی بیماری اور رویے کا شکار ہو جاتے ہیں۔

سائنسی ریسرچز بھی واضح طور پر ثابت کر رہی ہیں کہ رحم میں موجود بچہ ایک مکمل زندگی گزارتا ہے۔ اس کی زندگی ہے تب ہی تو اس میں محسوس کرنے کی صلاحیت ہے۔ بدقسمتی سے ایک عرصے سے ہم انسان، رحم میں موجود بچے کی صحت کی جانب بہت کم توجہ کرتے ہیں۔ کئی افراد تو اس بارے میں جانتے ہی نہیں ہیں اور جنہیں علم ہے بھی وہ جانتے بوجھتے غفلت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اس غفلت اور جہالت کا نتیجہ یہ نکل رہا ہے کہ ہمارے معاشرے میں ہر گزرتے ماہ و سال کے ساتھ باصلاحیت مضبوط اہلِ علم اور قوم کی تقدیر بدلنے والے افراد ناپید ہوتے جا رہے ہیں، جس کے سبب قوم و ملت زوال و پستی کے گہرے گڑھے میں جا گرے ہیں۔

یہودیوں نے اس عالَمِ ارحام کی زندگی کو بخوبی سمجھا اور انہوں نے اس وقت سے اپنے بچوں کی تربیت کرنا شروع کی۔ ایک رپورٹ کے مطابق دنیا کی ۷۰ فیصد معیشت پر یہودیوں کا قبضہ ہے، نہ صرف یہ بلکہ عالمی سیاست، دنیا کے بڑے بڑے ممالک اور عالمی ادارے ان کے ہاتھ کے نیچے ہیں، وہ جیسے چاہیں اپنے مفاد کے لیے انہیں استعمال کرتے رہتے ہیں حالانکہ وہ تعداد کے لحاظ سے دنیا کے ۰٫۲ فیصد بنتے ہیں۔

ڈاکٹر اسٹیفن کارلیون نے تین سال تک اس موضوع پر ریسرچ کی، آخر اسرائیلی اور یہودی اتنے ذہین کیوں ہوتے ہیں اور ان کے دنیا کو کنٹرول کرنے کے پیچھے کیا راز ہے؟؟؟

تحقیق کے دوران اس کے سامنے یہ بات آئی کہ یہودی مائیں جب حاملہ (Pregnant) ہوتی ہیں تو وہ باقاعدہ ریاضی (Mental Mathematics) کی مشقیں حل کرتی ہیں اور اس میں شوہر بھی ان کا بھرپور ساتھ دیتے ہیں، اس پریکٹس کے ذریعے رحم میں موجود بچہ ابتدا سے ہی ذہین ہو جاتا ہے۔ ان کی ماؤں کو یقین ہوتا ہے وہ ایک ایسے بچے کو جنم دینے والی ہیں جو دنیا میں بہت کچھ کرنے کی صلاحیت رکھے گا۔ ان کی مکمل توجہ ذہین و فطین انسان پیدا کرنے پر ہوتی ہے۔

کھانے پینے پر خاص توجہ دی جاتی ہے۔ حاملہ خاتون کی خوراک میں بادام، انار، کھجور، دودھ اور مچھلی شامل ہوتے ہیں۔ یہ تو وہ چند چیزیں ہیں جو بچے کے پیدا ہونے سے پہلے کی ہیں۔ بچہ دنیا میں آتا ہے تو اسے عربی، انگریزی اور عبرانی زبانیں بطور خاص سکھائی جاتی ہیں۔

لیکن بدقسمتی سے ہمارے ہاں خواتین کو امید کے وقت یہ تمام پریکٹس کروانا تو دور کی بات، ان کی صحت کی بنیادی ضروریات کا بھی خیال نہیں رکھا جاتا، بلکہ ان پر ظلم بالائے ظلم یہ کہ انہیں اس حالت میں بھی ٹینشن میں رکھا جاتا ہے۔

ظاہر ہے کہ پھر ہم میں قابل اور باصلاحیت افراد کیسے پیدا ہوں گے۔ شاید علامہ اقبال نے بھی اسی جانب اشارہ کیا ہو:

چاہتے سب ہیں کہ ہوں اوجِ ثریا پہ مقیم
پہلے ویسا کوئی پیدا تو کرے قلبِ سلیم

تفصیل سے بتانے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ کم از کم آپ ہی اس جانب مکمل توجہ کر کے قوم ملت کو عظیم افراد دے دیں۔

یاد رکھیں!!! قدرت اپنے اصول کسی کے لیے تبدیل نہیں کرتی، وہ سب کے لیے یکساں ہیں، جو بھی ان پر عمل کرتا ہے وہ کامیاب ہو جاتا ہے چاہے مسلم ہو یا غیر مسلم۔ کیا ہم پر اس دنیا میں بھی عالمِ ارحام کے اثرات مرتب ہوتے ہیں، اگر ہوتے ہیں تو اس کی واضح مثال کیا ہے؟؟؟ کچھ واضح مثالیں تو گزشتہ پیراگراف میں لکھی جا چکی ہیں۔ چند مزید ملاحظہ فرمائیں:

یہ بھی ہے کہ جب انسان عالَم ارحام سے عالم ناسوت (دنیا) میں قدم رکھتا ہے وہ کسی کو نہیں جانتا، اس میں سمجھ بوجھ کی صلاحیت کم ہوتی ہے، اس وقت تک اسے قوتِ گویائی عطا نہیں کی جاتی مگر اس کے باوجود وہ ماں کی بات سمجھ جاتا ہے اور ماں اس بچے کی زبان سمجھ جاتی ہے، یہ دنیا کی واحد زبان ہوتی ہے جو اللہ تبارک و تعالیٰ نے صرف ماں اور بچوں کے لیے بنائی ہے جسے صرف یہی سمجھ سکتے ہیں اور کوئی دوسرا نہیں سمجھ سکتا حتیٰ کہ وہ ماں جس کی یہ اولاد نہیں ہے، وہ بھی نہیں اور وہ بچہ اس حالت میں بھی اپنی والدہ کو پہچانتا ہے اور اس سے مانوس ہوتا ہے۔

دوسری مثال یہ ہے کہ ایک اچھا انسان انتہا درجے کی محبت اپنی ماں سے کرتا ہے، وہ سب کچھ سہ سکتا ہے لیکن اپنی ماں کی تکلیف برداشت نہیں کر سکتا، وہ چاہے بھی تو اپنی والدہ کی ذرا برابر گستاخی برداشت نہیں کر پاتا۔

یقیناً آپ کو یاد ہوگا!!! بچپن میں جب ہمیں محبت نفرت یا عزت ذلت کسی چیز کے بارے علم نہیں تھا، اس وقت ہم ہر زیادتی کو ضبط کر لیتے تھے لیکن جیسے ہی کوئی ہماری ماں کو برا بھلا بولتا ہے ہم آگ بگولا ہو جاتے اور کہتے تھے: دیکھ تو میری ماں کو گالی مت دے ورنہ،،،، دوسرا کہتا ہے: کیا کر لے گا؟؟؟ بسا اوقات ہم کہتے ہیں: میں تیرا منہ توڑ دوں گا۔ کبھی کبھار تو ہمارا اس سے جھگڑا ہو جایا کرتا تھا،،، بات مار دھاڑ تک پہنچ جایا کرتی تھی،،، یہ آپ کی زندگی میں ایک مرتبہ نہیں بلکہ کئی مرتبہ ہوا ہوگا۔ شاید یہی وجہ ہے کہ بچے والد سے بھی زیادہ پیار اپنی والدہ سے کرتے ہیں۔

یہ کئی مرتبہ تجربہ کیا کہ جب بھی محبت بھری نگاہوں سے والدہ کا دیدار کیا اس وقت جسم کی رگ رگ میں ایسا سکون اترتا ہوا محسوس ہوتا ہے جو قابلِ بیان نہیں ہے، ویسے بھی احساسات اور جذبات کو بیان کرنے کے لیے خدا نے کوئی زبان ایجاد ہی نہیں کی، بس یہ ہر کسی کا اپنا حصہ ہوتا ہے، آپ بھی یہ تجربہ کر کے دیکھیں ان شاء اللہ آپ کو بھی یہ لذت حاصل ہوگی۔

اور دوسری طرف ماں کا تعلق اپنے بچوں سے جس قدر وارفتگی والا ہوتا ہے اس کے بیان کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے، یہ ہر سمجھدار شخص جانتا اور مانتا ہے۔ اولاد کو جیسے ہی تکلیف پہنچتی ہے ماں کی آنکھوں سے فوراً آنسو بہنا شروع ہو جاتے ہیں۔ شاید اللہ نے ماں کی آنکھوں میں سینسر فٹ کیا ہوا ہے، جونہی اولاد کو تکلیف پہنچتی ہے وہ سینسر فوراً ایکٹو ہو جاتا ہے اور اس سے ڈباڈب آنسو بہنے لگتے ہیں۔

کاش کہ آج کا انسان اس سے یہ سیکھ لے کہ جس ماں کے پیٹ میں ہم نے ایک پورا عالم گزارا ہے، اس کا ادب، اہمیت، عزت اور فرمانبرداری ہمیں کس قدر کرنی چاہیے۔

امید ہے کہ اس تفصیل سے آپ بخوبی سمجھ گئے ہوں گے کہ انسان کی ابتدا دنیا میں پیدا ہونے سے ہرگز نہیں ہوئی بلکہ یہ اس سے پہلے عالَمِ ارواح (World of souls) میں زندگی گزار کر آ چکا ہے اور اس کے بعد عالَمِ ارحام میں جس کے اثرات آج بھی ہم پر ہوتے رہتے ہیں... اور اسے جانے بغیر ہم انسان کو مکمل طور پر کسی صورت نہیں سمجھ سکتے۔ اس سے یہ بھی واضح ہو گیا ہو گا کہ انسان کی اصل جسم نہیں بلکہ روح ہے۔

سیاسیات

سیاست اسلامیہ کے بنیادی خدوخال

علامہ عسجد نعمان قادری

سیاست عربی زبان کا لفظ ہے اور اس کا مادہ س، و، س ہے۔ معجم الغنی میں سیاست البلاد سے مراد ہے:

تولی امورھا وتسیر اعمالھا الداخلیۃ والخارجیۃ

یعنی یعنی سیاست شہروں کے داخلی اور خارجی امور کی دیکھ بھال اور ان امور کو بخوبی سرانجام دینے کو کہتے ہیں۔

اللہ تعالی نے اپنے حبیب ﷺ کے قلب اطہر پر جو کلام اتارا وہ ہر چیز کا روشن بیان ہے، انسان کی نجی، معاشی اور معاشرتی اعلی تعلیمی و تربیتی اور ہر طرح کی رہنمائی اس قرآن پاک میں موجود ہے۔ جب ہر طرح کے مسائل کا واضح حل کلامِ الہی میں موجود ہے تو پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ حکومت کا نظم ونسق چلانے کا اصول قرآن میں مذکور نہ ہوتے ؟؟؟

علامہ اقبال نے تو قرآن کو "آئین حکومت" قرار دیا تھا۔ علامہ اقبال اپنی کتاب "زمور خودی" میں لکھتے ہیں:

در شبتان حرا خلوت گزید
قوم و آئین و حکومت آفرید

علامہ اقبال کے اس فارسی شعر کی وضاحت، خواجہ الطاف حسین حالی کے اس شعر سے بخوبی ہو جاتی ہے جو انہوں نے اپنی "مسدس" میں لکھا ہے:

اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور ایک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

یہ نسخہ کیمیا در حقیقت قرآن مجید ہے جس میں ہر معاملے اور تمام شعبہ ہائے زندگی کے لئے بہترین رہنمائی موجود ہے۔ یہاں تک کہ سلطنت چلانے کے رہنما اصول ہیں۔ یا۔ یوں کہیں کہ ملک کے داخلی و خارجی امور کو بحسن و خوبی سرانجام دینے کی تعلیمات موجود ہیں، اسی لئے بانیِ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح سے قیامِ پاکستان سے قبل جب کسی نے پوچھا کہ: آپ جس نئے وطن کی تحریک چلا رہے ہیں اس کا آئین و قانون کیا ہوگا؟ تو آپ نے قرآن مجید اٹھا کر فرمایا تھا ہمارے ملک کو کسی نئے دستور کی ضرورت نہیں اس کا دستور پہلے ہی موجود ہے جو کہ قرآن پاک ہے۔

اسلام کے دامن میں سیاست اور قائدینِ سیاست نیز منتظمینِ نظامِ سلطنت میں کیا خوبیاں ہونی چاہیں، یہ سب موجود ہیں، چنانچہ حاکم اسلام کیسا ہونا چاہیے اس متعلق قرآن فرماتا ہے:

قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ عَلَیْكُمْ وَ زَادَهٗ بَسْطَةً فِی الْعِلْمِ وَ الْجِسْمِ (البقرۃ:۲۴۷)

فرمایا اسے اللہ نے تم پر چن لیا اور اسے علم و جسم میں کشادگی زیادہ دی۔

اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

آجکل حکومت کا مدار صرف مال اور کثرتِ رائے پر ہے یہ غلط ہے، سلطنت نسب اور مال پر نہیں ہونی چاہے بلکہ علم، شجاعت اور بہادری پر ہونی چاہئے۔

کس قدر واضح تعلیمات موجود ہیں مگر تف ہے ان لوگوں کو سوچ پر جو کہتے ہیں کہ اسلام کے پاس ملک کا نظام چلانے کے لیے تعلیمات نہیں ہے۔ اگر اسلامی حکومت آجائے تو ملک کیسے چلے گا؟ وغیرہ وغیرہ اعتراض کرتے ہیں۔ در حقیقت یہ لوگ مغرب

کی روشنیوں اور چکا چوند سے اتنے مرغوب ہو گئے ہیں کہ بجائے قرآن میں غور و فکر کرنے کے مغرب کے ذہنی غلام بن گئے ہیں۔ یہ سب مغرب کی تعلیمات اور زہر کا اثر ہے جو مغرب میں ان لوگوں کے ذہنوں میں آہستہ آہستہ داخل کیا ہے۔

مغربی تمدن میں دین کو جامعیت حاصل نہیں ہے، مغربی دانشور دین کو حدود کر کے پیش کرتے ہیں اور یہ تصور دینے کی کوشش کی جاتی ہے کہ گویا دین کے اندر انسان کا فقط خدا سے رابطہ ہونا چاہیئے، لہذا سیاسی، اجتماعی، بین الاقوامی اور حکومتی سطح پر رابطہ قائم کرنا دین اور مذہب کے دائرہ کار سے باہر ہے اور یہ چیزیں انسان اور خدا کے رابطے سے جداگانہ چیزیں ہیں۔

پھر اس پر پر مستزاد یہ کہ سیاست کو ایک ''لفظ بدنام'' بنا کر پیش کیا گیا حتی کہ جھوٹ، دغا، لوٹ مار وغیرہ امور انجام دینے والے کو ''سیاسی آدمی'' کہہ کر پکارا جانے لگا۔ اس طرح مسلمانوں نے سیاست سے کنارہ کشی اختیار کرنا شروع کر دی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایوانوں میں صحیح العقیدہ متصلب فی الدین لوگوں کی نمائندگی ختم ہو کر رہ گئی، جبکہ دیکھا جائے تو ملک و قوم کی خدمت کے جذبے کے تحت سیاست کرنا اور اللہ تعالی کے بیان کردہ نظام کو رائج کرنے کے لیے سیاسی عمل میں آنا بذات خود ایک مستحسن عمل اور بعض اوقات ثواب تک ہے، حتی کہ سیاست خود انبیاء کرام علیہم السلام نے فرمائی، بخاری شریف کی حدیث پاک ہے:

كانت بنو اسرائیل تسوسهم الانبياء

بنی اسرائیل کے انبیاء سیاست فرماتے تھے۔

اسی لئے ہونا یہ چاہئے تھا کہ جس وقت سیاست کے بدنام کرنے کی مغرب کی کوششیں ہو رہی تھیں اس وقت بھرپور سیاسی عمل میں حصہ لیکر اسلامی سیاسی قوانین متعارف کرائے جاتے کیونکہ اسلام نے سیاست کو جس رخ کے ساتھ پیش کیا ہے، اگر اسی سے سیاست کو دیکھا جائے تو یہ ایک اہم ذمہ داری اور اہم فریضہ کے طور پر سامنے آتی ہے۔

سیاست اسلامی کا سب سے بڑا رہنما اصول یہ ہے کہ ''قوانین شریعت'' کی ہر آن پاسداری ملحوظ رہے اور کوئی بھی شخص اس دائرے سے بالاتر نہیں ہو سکتا چاہے وہ کسی بھی مقام پر کیوں نہ پہنچ جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لا یومن أحدکم حتی یکون هواہ تبعا لما جئت به

یعنی کوئی بھی اس وقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کی خواہشات شریعت محمدیہ کے تابع نہ ہو جائیں۔

اسلامی سیاست کا دوسرا بنیادی اصول یہ ہے کہ اگر کسی کو حکمرانی مل جائے تو اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ وہ مالک بن گیا اور جیسے چاہے قوانین بناتا رہے۔ قانون صرف قرآن و حدیث کے مطابق بنیں گے اور حاکمیتِ اعلی صرف اللہ تعالی کے پاس ہے جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا گیا:

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ (الانعام:٦)

حکم نہیں مگر اللہ کا

تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ ز وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرُ

بڑی برکت والا ہے وہ جس کے قبضہ میں سارا ملک اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (الملک:١)

حکومت مل جانا گویا کہ امانت کا مل جانا ہے اور پھر اس امانت میں کسی بھی طرح کے خیانت کا ذمہ دار حاکم وقت ہو گا، شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے اس فلسفے کو یوں بیان فرمایا ہے:

این امانت چند روز نزد ماست
در حقیقت مالک ہر شے خدا است

عہدہ رنگ و نسل کی وجہ سے ایسا نہیں ہو سکتا کہ کسی کو قانون سے بالاتر بنا دیا جائے یا کسی عام شہری پر حاکمِ وقت کو فوقیت دے دی جائے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاد فرمایا:

يا أيها الناس ألا إن ربكم واحد وإن أباكم واحد ألا لافضل لعربي على عجمي ولا لعجمي على عربي ولا أحمر على أسود ولا أسود على أحمر إلا بالتقوى۔

اے لوگو خبردار تمہارا رب ایک ہے اور تمہارے باپ آدم بھی ایک، سن لو! کسی عربی کو کسی عجمی پر اور نہ کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی فضیلت ہے، نہ کسی سرخ کو کسی سیاہ پر اور نہ ہی کسی سیاہ کو کسی سرخ پر کوئی فضیلت ہے۔ فضیلت کا دارومدار تقوی پر ہے۔

یہ مختصر اصول جو اپنی جامعیت کے اعتبار سے ضخیم کتب سے بھی زیادہ اہمیت کے حامل ہیں، ان کا تعلق تو منتظمین، حکمرانوں نیز مختلف شعبہ ہائے زندگی سے وابستہ لوگوں سے ہے اور یہ وہ اصول ہیں کہ محض ان اصولوں پر اگر ہم سختی سے عمل پیرا ہوجائیں تو فلاحی ریاست کا بنیادی ڈھانچہ وجود میں آجائے گا۔

یہاں اب کچھ لوگوں کا خیال یہ ہے کہ اگر اسلامی حکومت آج کے دور میں قائم ہوجاتی ہے تو اسلامی ریاست کا وہ کونسا ذریعۂ آمدنی ہوگا جس سے وہ اپنے معاملات چلائے گی؟ اور پھر مغرب کے سورج کی دھوپ میں جھلسے ہوئے لوگ تو یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ: کیا نظام چندے پر چلے گا؟ تو ایسے لوگوں کی تشفی کے لیے ہم عرض کردیں کہ "معیشت اور دین کی راہیں جدا جدا نہیں ہیں" ہماری فقہ کی کتب جہاں کتاب الصلوۃ، کتاب الحج ہوتا ہے وہی کتاب البیوع" بھی موجود ہوتا ہے۔ اگر اب بھی سمجھ نہ آسکے تو ہم ذیل میں اسلامی ریاست کے ذرائع محصولات ذکر کردیتے ہیں۔

(۱) زکوۃ	(۲) عشر	(۳) صدقات نافلہ
(۴) فیئ	(۵) الضرائب	(۶) لاوارث ترکے
(۷) جزیہ	(۸) النوائب	(۹) کراء الارض
(۱۰) وقف	(۱۱) خراج	(۱۲) کاروباری منافع
(۱۳) خمس	(۱۴) لقطہ	(۱۵) ارض اموات
(۱۶) نشونمائے ملکیت		

کہاں ایک طرف سیکولر نظامِ حکومت کے ٹیکس کا نظام جہاں پر امیر و غریب ہر ایک یکساں ٹیکس دیتا ہو، ایک ماچس خریدنے والا اگر کروڑوں کا مالک ہوں تو بھی اس سے اتنی ہی مقدار میں ٹیکس وصول کیا جائے گا جتنا اس شخص سے لیا جائے گا جو دو وقت کی روٹی کا محتاج ہو۔ اور دوسری طرف اسلام کے بیان کردہ پندرہ سے زائد ذرائع آمدن اور حکومت کے ذرائع محصولات ہیں۔

اگر ہر ایک ذریعۂ آمدن کے متعلق لکھا جائے تو مکمل مقالہ تیار ہوجائے مگر ہم یہاں محض زکوۃ کا مختصر ذکر کرتے ہیں۔

زکوۃ اسلام کا ایسا خودکار "نظام تقسیمِ دولت" ہے کہ اگر کسی کے پاس مقررہ مدت تک اسلام کا مقرر کردہ مال نصاب رہا تو اس کی دولت کا کچھ حصہ خود بخود غرباء کی طرف منتقل ہوجائے گا۔

صرف فلسفہ زکوۃ ہی اسلام کا ایسا کمال ہے کہ جان کینٹس، کارل مارکس اور ایڈم اسمتھ جیسے بڑے بڑے مغربی معیشت دان اور ان کی تھیوریاں زکوۃ کے فلسفے کے سامنے دست بستہ کھڑی نظر آتی ہیں۔

کسی بھی ریاست کا نظام اس ملک کے نظام عدل اور نظام قضاء پر قائم ہوتا ہے، اسلام کے پاس ایسا نظام قضاء ہے کہ خود قضاء اس نظام پر ناز کرتی ہے۔ جلد، بروقت، پائیدار اور محفوظ انصاف کی فراہمی کے اصول، فقہ کی کتب میں باب القضاۃ کے تحت بڑی بسط و تفصیل سے مذکور ہیں۔ خود انصاف کے دعویدار اور مغربی نظام عدالت کے پرستار یہ بات مانتے ہیں کہ آج دنیا میں جو بھی نظامِ عدل کے اصول ہیں وہ سب سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ کے مرہون منت ہیں۔

در اسلام کا نظریہ آفاقی ہے اور برکتی ہے اور اس نظام میں تائید الٰہی بھی ہے۔ یہ مختصر تحریر کسی ملک کا مکمل نظام تو بیان نہیں کرسکتی مگر ہاں اسلامی ریاست اور سیاست کے بنیادی خدوخال پر ضرور وافر روشنی ڈالتی ہے۔ اللہ ہمارے وطن عزیز پاکستان میں بہت جلد نظام مصطفی ﷺ کا سویرا ہمیں دیکھنا نصیب فرمائے۔ آمین

تحلیل و تجزیہ

فن حدیث کا احیاء وقت کا تقاضہ ہے۔

ابو الابدال محمد رضوان طاہر فریدی

اللہ رب العزت کے لیے ہی پاکی ہے اور اسی کے لیے تمام تعریفیں ہیں جس نے انسانوں کی ہدایت کے لیے انبیاء و رسل کو معبوث فرمایا اور سب سے آخر میں امام الانبیاء، خاتم الانبیاء، سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو معبوث کیا اور آپ ﷺ کو قرآن مجید فرقان حمید جیسا عظیم الشان معجزہ عطا کیا اور اس کے ساتھ حکمت یعنی سنت عطا کی جسے یہ امت حدیث رسول ﷺ کے نام سے جانتی ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، افعال اور معمولات سب شامل ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے جس طرح قرآن مجید فرقان حمید کی حفاظت کرنے، حفظ کرنے اور اسے امت تک پہچانے کا اہتمام کیا، حکم دیا اسی طرح اپنی احادیث کی حفاظت کرنے اور اسے دوسروں تک پہنچانے کا نہ صرف حکم دیا بلکہ ایسا کرنے والے کے لیے عظیم الشان بشارتیں اور خوشخبریاں بھی سنائی ہیں احادیث رسول ﷺ کی حفاظت اور نشر و اشاعت ایسا عظیم الشان کام ہے جو سعادت مندوں کے ہی حصہ میں آتا ہے اور ایسا کیوں نہ ہو کہ سنت رسول قرآن کی تشریح و تفسیر ہے۔

غائب حاضر کو پہنچا دے:

سرکار دو عالم ﷺ نے مختلف مواقع پر اپنے صحابہ کرام کو اپنے ارشادات دوسروں تک پہنچانے کا حکم دیا ہے چنانچہ حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حج کے موقع پر یوم النحر کے دن رسول اللہ ﷺ نے خطبہ دیتے ہوئے مختلف احکامات بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا:

''ھل بلغت ؟ قالوا :نعم ، قال ، اللھم الشھد فلیبلغ الشاھد الغائب، فرب مبلغ اوعی من سامع''

ترجمہ: کیا میں نے پیغام پہنچا دیا؟ صحابہ کرام نے عرض کیا جی ہاں، فرمایا: اے اللہ گواہ رہنا۔ پھر فرمایا: حاضر شخص اس پیغام کو غائب تک پہنچا دے بعض وہ لوگ جن تک بات پہنچائی جائے وہ سننے والے سے زیادہ یاد رکھتے ہیں۔ (الجامع الصحیح للبخاری، کتاب الحج، باب الخطبۃ ایام منی، رقم الحدیث ۱۷۴۱)

بلکہ ایک موقع پر ارشاد فرمایا

''انی احدثکم بالحدیث، فلیحدث الحاضر منکم الغائب''

ترجمہ: بے شک میں تمھیں حدیث بیان کرتا ہوں پس تم میں سے حاضر غائب کو بیان کردے۔ (المحدث الفاصل، صفحہ ۱۷۱)

رسول اللہ ﷺ کی وصیت:

حضرت ابوسعید ہارون العبدی فرماتے ہیں ہم جب حضرت ابو سعید خدری کے پاس آتے تو وہ ہمارا یوں استقبال کرتے، رسول اللہ ﷺ کی وصیت کے مطابق خوش آمدید۔ ہم کہتے رسول اللہ ﷺ کی وصیت کیا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے ہمیں فرمایا: عنقریب میرے بعد تمہارے پاس ایک قوم آئے گی جو تم سے میری حدیث کے متعلق سوال کریں گے تو جب وہ تمہارے پاس آئیں تو تم ان کے ساتھ مہربانی سے پیش آنا اور انہیں میری حدیث بیان کرنا۔ (المحدث الفاصل، صفحہ ۱۷۶)

حضرت ہارون العبدی، حضرت ابو سعید خدری کے متعلق فرماتے ہیں جب وہ کسی نوجوان کو دیکھتے (جو ان کے پاس سماع

حدیث کے لیے حاضر ہوتا) تو اسے فرماتے:

رسول اللہ ﷺ کی وصیت کے مطابق خوش آمدید، رسول اللہ ﷺ نے ہمیں وصیت فرمائی ہے کہ ہم تمہارے لیے مجلس میں وسعت اختیار کریں (کیونکہ تم علم حدیث سیکھنے آئے ہو) اور تمہیں حدیث کا مفہوم سمجھائیں بے شک تم لوگ ہمارے پیچھے رہنے والے اور محدثین ہمارے بعد ہوں گے۔ (شعب الایمان، الجز الثانی، الثامن عشر من شعب الایمان، باب فی نشر العلم، رقم الحدیث ۱۷۴۱)

رسول اللہ ﷺ کے خلفاء:

رسول اللہ ﷺ نے محدثین کو اپنے خلفاء قرار دیا ہے اور ان کے لیے خصوصی دعا فرمائی ہے کیونکہ وہ اپنے محبوب آقا، تاجدار انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو سننے، اس کی حفاظت کرنے، روایت کرنے اور لوگوں کو اس کے مفاہیم سمجھانے میں اپنی زندگیاں وقف کرتے ہیں راتوں کو جب لوگ مزے کی نیند سو رہے ہوتے ہیں اس وقت یہ اپنے محبوب ﷺ کی احادیث کے حفظ کرنے اور اس کے مفاہیم و مطالب کو سمجھنے میں مصروف ہوتے ہیں چنانچہ حضرت ابن عباس سے مروی ہے رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"اللھم ارحم خلفاءنا ،قلنا: یارسول اللہ و ما خلفاء کم؟ قال الذین یاتون من بعدی، یرو ون احادیثی و سنتی و یعلمونھا الناس"

ترجمہ: اے اللہ میرے خلفاء پر رحم فرما۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ کے خلفاء کون ہیں؟ فرمایا جو میرے بعد آئیں گے میری احادیث اور سنت کو روایت کریں گے اور لوگوں کو اس کی تعلیم دیں گے۔ (المعجم الاوسط للطبرانی، الجزالسادس، ۸۵۴۶)

دعا نبوی ﷺ:

جو لوگ رسول اکرم، شفیع معظم ﷺ م کی احادیث کو سنتے ہیں، یاد کرتے ہیں اور پھر اسے آگے دوسروں تک پہنچاتے ہیں ان کے لیے رسول اللہ ﷺ کی خصوصی دعا ہے، چنانچہ حضرت زید بن ثابت سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"نضر اللہ امرا سمع منا حدیثا فحفظہ حتی یبلغہ فرب حامل فقہ الی من ھو افقہ منہ و رب حامل فقہ لیس بفقیہ"

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اس شخص کو تر و تازہ رکھے جس نے ہم سے کسی حدیث کو سنا اسے یاد رکھا یہاں تک کہ آگے پہنچا دیا۔ کتنے ہی فقہ جاننے والے اپنے سے زیادہ فقیہ کو حدیث بیان کریں گے اور کتنے ہی فقہ جاننے والے فقیہ نہیں ہوتے۔ (السنن ابی داود، الجز الثانی، کتاب العلم، باب فضل نشر العلم، رقم الحدیث ۳۶۶۰)

جبکہ ایک روایت میں "نضر اللہ وجہ عبد" یعنی اللہ تعالیٰ اس شخص کا چہرہ تر و تازہ رکھے (المحدث الفاصل، صفحہ ۱۶۸) کے الفاظ ہیں۔

مشاہدے سے یہ بات ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی دعا کی برکت سے محدثین کے چہرے عام لوگوں کی نسبت زیادہ روشن، شفاف اور نورانی ہوتے ہیں ان کی زندگی عام لوگوں سے زیادہ خوشحال ہوتی ہے انہیں ہر حالت میں قلبی اطمینان حاصل ہوتا ہے جو اللہ کی عظیم نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے۔

چالیس احادیث یاد کرنے کی فضیلت:

نبی رحمت شفیع امت ﷺ نے اپنے امتیوں میں سے چالیس احادیث حفظ کر کے اسے آگے روایت کرنے والے سے شفاعت کا وعدہ فرمایا ہے فرماتے ہیں:

"من حفظ علی امتی اربعین حدیثا فی امر دینھا بعثہ اللہ فقیھا و کنت لہ یوم القیامۃ شافعا و شھیدا"

ترجمہ: جس شخص نے دینی معاملات کے متعلق چالیس حدیثیں حفظ کر کے میری امت تک پہنچا دی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے فقیہ

اٹھائے گا اور میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں گا اور اس کے حق میں گواہی دوں گا۔(مشکوۃ المصابیح، الجز اول، کتاب العلم، الفصل الثالث، رقم الحدیث ۲۴۰)

صحابہ کرام اور حفاظت حدیث:

صحابہ کرام علیھم الرضوان نے رسول اکرم، نبی محترم ﷺ کی احادیث کے حفظ، روایت اور نشر و اشاعت کے لیے مختلف طریقے اپنائے اور ہر ممکنہ کوشش کی یہاں تک کہ اس علم کو امت کے سپرد کر دیا ہے۔

صحابہ کرام علیھم الرضوان رسول اللہ ﷺ کے فرامین کو سننے، حفظ کرنے اور اسے آگے پہنچانے میں کس طرح حریص تھے اس کا اندازہ درج ذیل واقعات سے لگایا جاسکتا ہے۔

مشہور واقعہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ رسول اکرم ﷺ سے جو احادیث سنتے وہ بھول جاتے تھے جس کی شکایت انھوں نے بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں کی تو آپ ﷺ نے انہیں اپنی چادر بچھانے کا کہا اور فضاء سے ایک چلو بھر کر ان کی چادر میں ڈال کر فرمایا اسے سینے سے لگا لو۔ حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں اس کے بعد میں کبھی کوئی بات نہیں بھولا۔

حضرت ابوایوب انصاری صرف ایک حدیث سننے کے لیے جو انھوں نے سرکار دوعالم ﷺ سے براہ راست نہیں سنی تھی اس کے سماع کے لیے مدینہ سے دمشق تشریف لے گے اور اپنی سواری کا کجاوا کھولے بغیر حدیث سماعت کر کے واپس تشریف لے آئے۔

حضرت براء بن عازب سے روایت ہے کہ

''لیس کلنا سمع حدیث رسول اللہ ﷺ کانت لنا ضیعة و اشغال والکن الناس کانوا لا یکذبون یومئذ فیحدث الشاهد الغائب''

ترجمہ: ہم سب صحابہ کرام جان کائنات ﷺ کی احادیث سن نہیں پاتے تھے کیونکہ ہماری کاروباری اور دیگر مصروفیات بھی ہوتی تھیں لیکن ان دنوں لوگ (روایت حدیث اور عام گفتگو میں) جھوٹ نہیں بولا کرتے تھے لہذا (بارگاہ رسالت ﷺ) میں حاضر رہنے والے غیر موجود لوگوں کو احادیث بیان کر دیا کرتے تھے (اس طرح غیر موجود لوگ بھی احادیث کو سن کر یاد کر لیتے)۔

(المستدرک للحاکم، الجز اول، کتاب العلم، رقم الحدیث ۴۳۸)

صحابہ کرام علیھم الرضوان نے احادیث نبویہ کی نشر و اشاعت کے مختلف طریقے اپنا رکھے تھے زیادہ تر احادیث کو روایت کرنے کا طریقہ رائج تھا جنہیں وہ اپنے تلامذہ یا پھر کسی مسئلہ کے متعلق سوال کرنے والے سے بیان کرتے تھے۔ بعض صحابہ کرام جو عبادات و ریاضات کے لیے گوشہ نشینی اختیار کر لیتے، دنیاوی معاملات سے جدا رہتے اور علمی مجالس کا انعقاد نہ کرتے وہ بھی بوقت وفات رسول اللہ ﷺ سے سنی ہوئی احادیث کو بیان کر دیتے تاکہ کتمان علم کے گناہ سے بچنے کے ساتھ احادیث نبویہ کو امت تک کی طرف منتقل کرنے کے فریضہ سے بھی سبکدوش ہوسکیں۔ حدیث نبویہ کی نشر و اشاعت کے لیے بعض صحابہ کرام علیھم الرضوان نے اپنے تلامذہ کے ذریعے مختلف صحائف بھی تیار کروائے جن میں ام المومنین حضرت سیدنا عائشہ صدیقہ، حضرت ابوہریرہ، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت ابو سعید خدری، حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص کے صحائف قابل ذکر ہیں۔ الغرض صحابہ کرام علیھم الرضوان کے مقدس گروہ نے اپنے محبوب ﷺ کی احادیث کو امت تک پہنچانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی اور وہ اس میں سو فیصد کامیاب ہوئے، اس کے بعد تابعین، پھر طبع تابعین کا دور آیا جس میں روایت حدیث کے ساتھ تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی شروع ہوگیا یہاں تک ائمہ صحاح ستہ کے دور میں فن حدیث کی مختلف النوع کتب پر بہت بڑا ذخیرہ امت کے پاس آگیا اور اس کے ساتھ علم حدیث کی ترویج و اشاعت کے لیے مجالس احادیث کا انعقاد اور

روایت و درایت کا سلسلہ بھی اپنے عروج پر رہا۔

اس امت کے بڑے بڑے جلیل القدر محدثین نے علم حدیث کی حفاظت اور نشر و اشاعت کے لیے اپنی زندگیاں وقف کیے رکھیں اور اس فن کو امت کے محفوظ ہاتھوں میں منتقل کرنے میں کامیاب ہوئے یہاں تک کہ آج یہ علم ہم گنہگاروں کے ہاتھوں میں ہے اب ہم پر لازم ہے کہ اس فن کے احیاء اور اس کی نشر و اشاعت کے لیے سر توڑ کوشش کریں اور اپنی زندگیاں اس کام کے لیے وقف کر دیں۔

جس طرح دیگر علوم و فنون میں امت تنزلی کی طرف جا رہی ہے اسی طرح علم حدیث سے بے رغبتی بھی اس امت کے حصے میں آچکی ہے اگر ہمارا فنون کے ساتھ دلچسپی کا مجموعی طور پر جائزہ لیا جائے تو علم فقہ، صرف و نحو کی طرح علم حدیث سے شغف نہ ہونے کے برابر ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ اس فن سے دلچسپی ختم ہو گی ہے یا اس پر کام نہیں ہو رہا سب کچھ ہو رہا ہے مگر اس فن کے شایان شان نہیں۔ امام اہلسنت الشاہ احمد رضا خان کے بعد علم فقہ کو برصغیر میں بہت عروج ملا ہے ہر عالم اس فن میں رغبت رکھتا اور اپنی خدمات پیش کرنے کا خواہش مند نظر آتا ہے۔ مدارس میں طلباء سے مستقبل کے متعلق استفار کیا جائے کہ وہ کس فن میں تخصص کرنا چاہتے ہیں اور کس فن میں ماہر ہونا چاہتے ہیں تو غالب اکثریت اپنی رغبت علم فقہ میں ہی بیان کرے گی جبکہ طلباء علم حدیث کی اہمیت و ضرورت سے ہی نا واقف ہیں تو وہ اس طرف راغب کیوں ہوں گے ؟

عالم عرب اس سلسلہ میں خوش قسمت ہے کہ عصر حاضر میں وہاں فن حدیث کے احیاء کے لیے ایک بہار آئی ہوئی ہے، علم حدیث کی تدریس کے ساتھ وہاں کے جامعات میں علم الحدیث کی مختلف النوع پر تحقیقی مقالات قلمبند کرنے کا ایک نا ختم ہونے والے سلسلہ چل پڑا ہے جس کی وجہ سے نا صرف اس فن کی حفاظت اور نشر و اشاعت کا کام ہو رہا ہے بلکہ فن حدیث کی بہت سی نئی نوع بھی متعارف کروائی گئی ہیں۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ عالم اسلام بالخصوص برصغیر میں علم حدیث کے احیاء کے لیے ترجیحی بنیادوں پر کام کیا جائے اور اس کے لیے ہر ممکنہ وسائل کو بروئے کار لایا جائے اس کے لیے ہمیں شعوری طور پر جہد مسلسل کے ساتھ محنت کرنا ہوگی۔ سالہا سال کی محنت کے بعد جا کر کہیں گوہر مقصود ہاتھ آنے کی امید ہے۔

علم حدیث کے احیاء کے لیے بنیادی طور پر دو جہات پر کام کرنے کی ضرورت ہے

۱۔ علم حدیث کی ترویج و اشاعت

۲۔ مستشرقین و منکرین حدیث کا رد

علم حدیث کی ترویج و اشاعت

علم حدیث کی ترویج و اشاعت کے سلسلہ میں اگرچہ ہمارے علماء مقدور بھر کوشش کر رہے ہیں مگر یہ ناکافی ہیں اور اب تک جتنے اسباب و وسائل اپنائے ہوئے ہیں ان کو بڑھانے کی ضرورت ہے ذیل میں ہم چند اسباب کی طرف نشاندہی کرتے ہیں جن کو اپنا کر ہم اس فن کے احیاء میں نمایاں کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔

۱۔ تخصص فی الحدیث:

ویسے تو مدارس اسلامیہ میں رائج نصاب میں فن حدیث کی مختلف کتب رائج ہیں اور آخری سال خاص اس علم کی اشاعت کے لیے مختص کیا گیا ہے جس میں صحاح ستہ کے منتخب ابواب کی قراءت اور تشریح و توضیح کے ذریعے محدثین اس علم کی خدمات سرانجام دیتے ہیں مگر اس فن میں درک حاصل کرنے کے لیے یہ ناکافی ہے اس لیے اس فن میں تخصصات کی حاجت ہے فن حدیث اپنے اندر سینکڑوں انواع لیے ہوئے ہے ہر نوع اپنے اندر مہارت کے لیے خاص محنت کی متقاضی ہے۔ اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو آج ہمارے پاس اس فن کے ماہر علماء کی کمی ہی نہیں بلکہ نا ہونے کے برابر ہے کسی فن کی بنیادی معلومات کا ہونا اور خاص اس فن میں ماہر ہونا دو الگ الگ چیزیں ہیں جنہیں ایک جگہ جمع نہیں کیا جا سکتا۔

کیا یہ مقام افسوس نہیں کہ پاکستان جیسے اسلامی ملک جس کی آبادی بائیس کروڑ سے تجاوز کر چکی ہے اور ملک کے چاروں صوبوں

بشمول آزاد کشمیر میں ہزاروں مدارس پھیلے ہوئے ہیں وہاں علم حدیث میں تخصصات کا کوئی خاص اہتمام نہیں کیا گیا۔ سوائے تین مقامات کے ایک دعوت اسلامی جس نے پچھلے چند سالوں سے کراچی میں دو سالہ تخصص فی الحدیث کا آغاز کیا ہے دوم وفاق المدارس الاسلامیہ الرضویہ کے زیر اہتمام جامعہ علیمیہ لاہور میں دو سالہ کورس ہو رہا ہے اور سوم ادارہ سراج منیر گجرات کے زیر اہتمام چھ ماہ کا کورس کروایا جارہا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ تینوں ادارے اندھیرے میں چراغ کا کام کر رہے ہیں البتہ اگر آبادی اور مدارس کے تناسب سے دیکھا جائے تو یہ بہت کم ہے ہمیں چاہیے کہ اس کام کو ملک بھر میں مزید پھیلا دیں تمام صوبوں میں کم از کم ایک ادارہ، جامعہ یا یونیورسٹی میں تخصص فی الحدیث کی کلاسز کا ترجیحی بنیادوں پر اہتمام ہونا چاہیے اور اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ وہ تمام ادارے جن کے ہاں تخصص فی الفقہ و دیگر تخصصات کا اہتمام ہے وہ اپنے ہاں تخصص فی الحدیث کا بھی اہتمام کریں۔

عمومی طور پر مدارس کے طلباء درس نظامی کے بعد پریکٹیکل لائف کو ترجیح دیتے ہیں اور تخصصات کی طرف کم آتے ہیں اور جو تعداد اس طرف آتی ہے وہ تخصص فی الفقہ کو ترجیح دیتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے لیے ہم نے وسائل پیدا کیے ہوئے ہیں اور طلباء کو اس کے لیے ذہن بھی دیا جاتا ہے اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ یہ فن بڑی اہمیت کا حامل ہے اور شریعت کی بنیاد اس فن پر قائم ہے یہی قرآن وسنت کے فہم وادراک اور احکام پر مشتمل علم ہے مگر علم حدیث کے بغیر بھی چارہ نہیں کہ قرآن کے بعد دوسرا بڑا مصادر اصلی اور فہم قرآن کو لازم وملزوم یہی علم ہے جس کی تفہیم کے بغیر ہم نے تو قرآنی علوم میں غوط زن ہو سکتے ہیں اور نہ فقہ کی لذت حاصل کر سکتے ہیں۔

میں مدارس اسلامیہ کے طلباء سے درخواست کروں گا کہ اگر آپ کی کوئی ایسی مجبوری جس کے بغیر گزارہ نہیں ہے تو درس نظامی سے فراغت کے بعد علوم اسلامیہ میں تخصصات کی طرف آئیں اور اس میں علم حدیث کو ترجیح دیں۔ زندگی مختصر ہے ہر شخص ہر فن مولا نہیں بن سکتا اس لیے بہتر ہے کہ کسی ایک موضوع کا انتخاب کر کے اس میں تخصص کر لیا جائے اور پھر علم حدیث سے بڑھ کر کون سا علم ہو گا جس کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر دی جائیں؟ اور ویسے بھی یہ فن پوری توجہ چاہتا ہے۔

علامہ محمد بن جعفر کتانی لکھتے ہیں:

اس علم کی تحقیق اور رسوخ اسی کو حاصل ہو سکتا ہے جو اپنا سب کچھ اسی کے حوالے کر دے اور اپنے تمام اوقات اسی میں کھپا دے اور جو تھوڑا سا حصہ اس فن میں دے اور زیادہ توجہ دیگر علوم پر دے تو وہ داد تحقیق نہیں دے سکتا۔

علامہ ابوبکر بن خطیب بغدادی فرماتے ہیں:

علم حدیث پوری طرح اس کے ساتھ لگتا ہے جو اپنے آپ کو اسی کے ساتھ خاص کر لے اور دیگر فنون کو اس کے ساتھ نہ ملائے۔

امام شافعی فرماتے ہیں:

کیا تم فقہ اور حدیث کو جمع کرنا چاہتے ہو؟ بھول جاو ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔

شیخ الاسلام ابواسماعیل عبداللہ بن محمد فرماتے ہیں:

یہ علم حدیث تو اس کا کام ہے جسے اس کے علاوہ اور کوئی کام نہ ہو۔ (المستطرفہ، صفحہ ۲۲۱)

۲۔ حفظ حدیث:

ہمارے ہاں ابتدائے اسلام سے لے کر عصر حاضر تک حفظ قرآن کی روایت اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ جاری ہے جو انشاء اللہ تاقیامت جاری رہے گی۔ جبکہ حفظ حدیث کے سلسلہ میں جمود طاری ہے صحابہ کرام، تابعین، طبع تابعین اور پھر بعد کی کئی صدیوں تک حفظ قرآن کی طرح حفظ حدیث کے لیے بھی باقاعدہ کوششیں ہوتی تھیں محدثین اس کے لیے راتوں کو بیدار رہتے، تنہائیاں اختیار کرتے، دور دراز کا سفر کرتے، ادارے بناتے، مجالس کا اہتمام کرتے، جہاں حفظ حدیث کے لیے تکرار ہوتا۔ وقت کے ساتھ جیسے جیسے

اس فن سے بے رغبتی بڑھتی گئی ویسے ویسے حفظ حدیث کا رجحان بھی ٹوٹ گیا ہے یہی وجہ ہے کہ آج پورے عالم اسلام میں اس کے لیے کوئی کوششیں نہیں ہو رہی اور نہ ہی محدثین میں کثیر الاحادیث حفاظ نظر آتے ہیں۔

لہذا احیاء حدیث کے عمل کے لیے حفظ احادیث کی کلاسز کا اہتمام ناگزیر ضرورت ہے۔ ان کلاسز کو تخصص فی الحدیث کا حصہ بھی بنایا جاسکتا ہے کہ تخصص فی الحدیث کا دورانیہ بڑھا کر اس میں ایک معین تعداد تک حفظ احادیث کو لازم قرار دے دیا جائے اور علیحدہ سے منظم اداروں کا قیام بھی عمل میں لایا جاسکتا ہے۔

۳۔ صحافت:

آج کے دور میں کوئی بھی ادارہ، اور تحریک صحافت کا سہارہ لیا بغیر ناکام ہے صحافتی ذرائع میں مجلات اپنی خاص اہمیت اور شناخت رکھتے ہیں جو کسی شخصیت، ادارے اور تحریک کے افکار و نظریات کو لوگوں تک پہنچانے میں خاص اہمیت کے حامل ہیں احیاء حدیث کے عمل کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے ہمیں پورے برصغیر میں ماہنامہ، سہ ماہی، ششماہی اور سالانہ بنیادوں پر مجلات شائع کرنے ہوں گے۔

کیا یہ مقام افسوس نہیں کہ برصغیر میں سواد اعظم کی اتھارٹی رکھنے والی جماعت کے پاس فن حدیث کی ترویج و اشاعت اور احیاء کے لیے ایک بھی مجلہ نہیں ہے جسے خاص علم حدیث کی نشرواشاعت کے لیے مختص و جاری کیا گیا ہو اور تو اور پاکستان میں جن دو اداروں کی طرف سے تخصص فی الحدیث کا اہتمام کیا گیا ہے ان کی طرف سے بھی ابھی تک کوئی مجلہ شائع نہیں ہوا جو ان اداروں میں ہونے والے کام کو سامنے لے کر آئے۔ لہذا اتمام صاحبان اختیار جن کو اللہ نے وسائل فراہم کیے ہیں وہ اپنی اپنی نگرانی میں احیاء حدیث کے جذبہ کے تحت مجلات کا آغاز کریں اور محدثین و محققین کو فن حدیث میں خامہ فرسائی کی دعوت دیں۔

الیکٹرونک میڈیا بھی صحافت کا ہی ایک شعبہ ہے مختلف چینلز پر علم حدیث کی نشرواشاعت کے لیے خصوصی پروگرامز کا اہتمام کیا جائے اور سوشل میڈیا کو بھی بروئے کار لایا جائے۔

۴۔ مصنفات و مؤلفات:

علم حدیث کی ترویج اور نشرواشاعت کا ایک بہترین اور مؤثر ذریعہ اس فن میں مصنفات و مؤلفات بھی ہیں عصر حاضر کی ضرورتوں کے پیش نظر علم حدیث کی جملہ انواع پر تالیفات وقت کی ضرورت ہے جس کے ذریعہ احیاء حدیث کے اہم فریضہ میں کامیابی حاصل کی جاسکتی ہے۔ اس کام کو ہم چار بنیادی شعبوں میں تقسیم کرسکتے ہیں۔

اول: متون حدیث۔ عالمی، سیاسی، عسکری، سماجی، روحانی، اعتقادی، فقہی اور اخلاقی معاملات کو سامنے رکھ کر مختلف مجموہائے حدیث مرتب کیے جائیں۔

دوم: شروحات و حواشی۔ متون احادیث پر موجود کتب پر شروح اور حواشی لکھے جائیں۔

احادیث نبویہ پر شروحات اور حواشی کی ضرورت آج بھی ویسے ہی مسلم ہے جیسے چند صدیاں قبل تھیں حالات بدل چکے ہیں ملت اسلامیہ میں کئی فرقے اپنا وجود قائم کرچکے ہیں عقائد اور عبادات و معاملات میں رجحانات و ترجیحات بدل چکی ہیں ایسے میں منہج سلف صالحین کے مطابق اسلام کا آفاقی پیغام مسلمانوں تک پہنچانے اور حدیث نبویہ کی آسان الفاظ میں تفہیم کے لیے اس کام کی ضرورت اور بھی بڑھ جاتی ہے اور یہ کام اردو و عربی ہر دو زبانوں میں ضروری ہے جو اہل علم جس زبان میں آسانی کے ساتھ یہ کام کرسکتے ہیں کریں۔ اگر اردو کی بات کی جائے تو برصغیر میں اس پر اطمینان بخش ابتدائی کام ہو چکا ہے اگرچہ اس جہت پر بھی ابھی بہت سے زاویئے خالی اور کام کی حاجت ہے مگر پھر بھی ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے علماء نے یہ میدان خالی نہیں چھوڑا کام کیا ہے۔ لیکن عربی زبان میں کام کی طرف بہت کم توجہ دی گئی ہے اس کڑوی حقیقت کو فراموش نہیں کیا جاسکتا کہ برصغیر میں بسنے والی پوری دنیا اہلسنت ابھی تک درس نظامی میں موجود تمام کتب احادیث پر شروح و حواشی نہیں لکھ کر دے سکی۔ ہم آج بھی صدیوں پرانے بزرگوں کی کاوشوں پر اکتفاء کیے ہوئے ہیں ہائے افسوس۔

سوم: تراجم حدیث۔ یہ بات انتہائی خوش آئند ہے کہ اہلسنت کی

طرف سے حدیث شریف کی اکثر امہات الکتب کے ساتھ اور بھی بہت سی کتب کے اردو تراجم سامنے آچکے ہیں جبکہ جن کتب کے ابھی تک تراجم نہیں ہوئے امید ہے کہ وہ بھی بہت جلد ہمارے ہاتھوں میں ہوں گے۔ اب ہمیں یہ کرنا ہے کہ جن کتب کے اردو تراجم ہو چکے ہیں انہیں دیگر بڑی زبانوں میں منتقل کیا جائے تاکہ دنیا کا کوئی بھی علاقہ یا زبان اس علم کے فیضان سے محروم نہ رہے۔

چہارم: فنون حدیث۔ فنون حدیث کی جملہ انواع وہ علم اسماء الرجال ہو یا مصطلحات وغیرہ ان سب پر جدید طریقہ تحقیق کے پیش نظر کام کی حاجت ہے یہ کام اس فن میں دلچسپی رکھنے والوں کے نا صرف شوق میں اضافہ کرے گا بلکہ احادیث نبویہ کو سمجھنے اور ان کی تفہیم وتشریح میں بھی معاون ثابت ہوگا۔

۵۔ قلمی وقدیم کتب کی تحقیقات:

علم حدیث پر ہمارے بزرگوں کا جو قدیم سرمایہ دنیا کی مختلف لائبریریوں میں موجود ہے یا پھر سالوں پہلے کسی کی ایک آدھ بار اشاعت ہوئی ہے ان پر جدید طریقہ تحقیق وتخریج کے مطابق کام کرکے منظر عام پر لایا جائے۔ اس سلسلہ میں برصغیر کے محدثین کی مصنفات و مؤلفات کو ترجیح ہونی چاہیے۔ البتہ ضرورت واہمیت کے پیش نظر اس خطہ کے باہر کے علماء کی تالیفات کو بھی لیا جاسکتا ہے۔

۶۔ محدثین کو خراج عقیدت:

عالم اسلام بالخصوص برصغیر سے تعلق رکھنے والے محدثین کی شخصیات اور ان کے کام کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے ان کے کام کو زندہ کیا جائے، ان کے کام سے نئی نسل کو متعارف کروایا جائے اور محدثین کی سوانح حیات کو مرتب کیا جائے تاکہ ان کے کام سے آگاہ ہو کر ان کی شخصیات کا مطالعہ کرکے نوجوان نسل ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے خود کو علم حدیث کے احیاء کے مشن کو لے کر آگے بڑھیں اور اس عظیم مقصد کے لیے اپنی زندگیاں وقف کردیں۔

۷۔ دروس حدیث:

مذکورہ بالا سطور میں جو تجاویزات پیش کی گئی ہیں ان سب کا تعلق علماء وطلباء مدارس سے ہے البتہ ائمہ مساجد اور عوامی سطح پر بھی احیاء حدیث کے مشن میں شامل ہوا جاسکتا ہے۔

اگر آپ امام مسجد ہیں اور مذکورہ بالا جہات پر کام کی صلاحیت نہیں رکھتے تو اپنی مسجد میں درس حدیث کا اہتمام کریں کسی سنی عالم کی مستند شرح لیں، روزانہ یا ہفتہ وار درس حدیث کا آغاز کریں اور مسلمانوں کے سینوں کو علم حدیث کے انوار سے منور کریں۔

سکول، کالجز یا یونیورسٹز میں پڑھنے والے طلباء اپنے دوست احباب کا ہفتہ میں کم از کم ایک دن یا فارغ وقت میں ایک حلقہ منعقد کریں جن میں علمائے اہلسنت کی طرف سے تیار کردہ مجموعہ ہائے احادیث سے درس کا انعقاد ہو۔ احادیث کو یاد کرنے اور تکرار کرنے کا سلسلہ ہو اور ان کی تفہیم کے لیے علمائے اہلسنت کی شروحات کی مدد لی جائے اور حدیث پر جو مطالعہ کیا ہے اسے اپنے دوستوں کے ساتھ شیئر کریں۔۔ اسے آپ حدیث اسٹڈی سرکل کا نام بھی دے سکتے ہیں۔

احیاء حدیث کے مقصد میں حصہ لینے والی اگر خواتین ہیں تو وہ اپنے معمولات اور امور خانہ داری میں ایک اور تجویز کو بھی شامل کرلیں۔ کہ ان کے بچے جب سکول کی تعلیم اور کھیل کود سے فارغ ہو جائیں تو انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین یاد کروائیں، ان کے مطالب سمجھائیں اور ان کی تشریح وتوضیح سے اپنے جگر پاروں کے سینوں کو منور کریں۔ یہ اس سے کہیں بہتر ہے کہ آپ کے بچے فضول قسم کی ویڈیوز گیم یا انٹرٹینمنٹ کے نام پر چلنے والے پروگرامز پر اپنا وقت برباد کریں۔

ائمہ مساجد اپنے ذوق طبع اور صلاحیتوں کے مطابق علمائے اہلسنت کی لکھی ہوئی شروحات کا انتخاب کرسکتے ہیں البتہ سکول، کالجز اور یونیورسٹیز کے طلباء کے لیے درج ذیل کتب معاون رہیں گی۔

۱۔ انوار الحدیث، مطبوعہ، مکتبۃ المدینہ، کراچی،
۲۔ المستند، مطبوعہ، رحمۃ اللعالمین پبلکیشنز، سرگودھا
۳۔ انوار المتقین شرح ریاض الصالحین، مطبوعہ، مکتبۃ المدینہ، کراچی،
۴۔ مراۃ المناجیح شرح مشکاۃ المصابیح، مطبوعہ نعیمی کتب خانہ، لاہور
۵۔ جنت میں لے جانے والے اعمال، مطبوعہ، مکتبۃ المدینہ، کراچی
۶۔ الترغیب والترہیب، (مترجم) مطبوعہ، ضیاء القرآن، لاہور

۷۔ جواہر الحدیث، مطبوعہ، شبیر برادرز، لاہور

۸۔ منتخب حدیثیں، مطبوعہ، مکتبۃ المدینہ، کراچی

۹۔ فیضان چہل حدیث، مطبوعہ، مکتبۃ المدینہ، کراچی

۱۰۔ مقاصد احادیث، مطبوعہ، ورلڈ ویو پبلشرز، لاہور

یہ فہرست نامکمل ہے اس میں اور بھی بہت سی ایسی کتب کو شامل کیا جاسکتا ہے جو عوام کی ذہنی سطح کے قریب تر ہیں۔

مستشرقین و منکرین حدیث کا رد

اسلام کی اساس کو مشکوک ٹھہرانے اور مسلمانوں کا قرآن سے رشتہ توڑنے اور انہیں گمراہ کرنے کے لیے مستشرقین اور منکرین حدیث نے احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدف تنقید بنایا ہے یہ لوگ اپنے مذموم مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے مسلسل سرگرم ہیں یہ فکر کہاں سے پروان چڑھی، اس کے محرکات کیا ہیں اس کے بڑے مبلغین کون ہیں اور وہ حدیث رسول کو ہدف تنقید کیوں بنائے ہوئے ہیں؟ یہ سب سوالات طویل مباحث کے متقاضی ہیں جو کہ سر دست ہماری بحث سے خارج ہیں علماء نے اپنی مصنفات میں اس پر مقدور بھر کلام کیا ہے البتہ مستشرقین و منکرین حدیث کا جب تک وجود اور ان کی فکر باقی ہے تب تک ان کا رد اور ان کی طرف سے حدیث نبویہ کے متعلق پھیلائے گئے شکوک و شبہات کو رفع کرنا علماء اسلام و محدثین کی اہم ذمہ داری ہے جسے سے کسی صورت غفلت نہیں ہونی چاہیے۔

منکرین حدیث جو چکڑالویت، پرویزیت اور اب غامدیت کے نام سے اپنا وجود رکھے ہوئے ہیں، ان کے احادیث نبویہ پر تمام شکوک و شبہات اور اعتراضات مستشرقین سے مستعار لیے ہوئے ہیں اس لیے ان کے اور مستشرقین کے رد میں کوئی خاص فرق نہیں ہے ان دونوں میں سے کسی ایک کا رد دونوں کو کفایت کرتا ہے البتہ بعض اوقات انداز تکلم کی بناء پر ہر دو کی طرف علیحدہ علیحدہ متوجہ ہونا پڑتا۔ جیسا کہ عصر حاضر میں جاوید احمد غامدی نے طریقہ واردات بدلا ہوا ہے، جدید اذہان کو متاثر کرنے کے لیے اس نے اپنی فکر کی بنیاد سنجیدہ انداز تکلم اور عقلیات پر رکھی ہے اسی کے پس پردہ یا تو حدیث پر کلام، اس سے استدلال بلکل نہیں کرتا اور اس کے عدم حجت ہونے کا قائل ہے یا پھر احادیث نبویہ کا دارومدار جن راویوں کی روایات پر ہے انہیں ہدف تنقید بنا کر احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا منکر ہو جاتا ہے اس شخص کے طریقہ واردات کو سمجھنے اور اس پر کام کرنے کی حاجت ہے جس پر ہمارے علماء کی توجہ بلکل نہیں الا ماشاءاللہ

وہابیہ اور انکار حدیث:

عرب وعجم میں بسنے والے وہابیہ جو خود کو اہلحدیث کہلواتے اور اہل حدیث ہونے کے مدعی ہیں حقیقت میں غیر شعوری طور پر منکرین حدیث کے زمرہ میں آتے ہیں حدیث نبویہ پر عمل، ان سے استدلال اور ان کے قبول و عدم قبول میں ان کا منہج کسی فتنہ سے کم نہیں۔ سواد اعظم سے ہٹ کر ان کے مخصوص عقائد و نظریات ہیں جنہیں تقویت پہنچانے کے لیے چیدہ چیدہ احادیث کا انتخاب کرتے ہیں اس سے قطع نظر کی ان کی فنی حثیت کیا ہے وہ قابل استدلال ہیں بھی یا نہیں ہر وہ حدیث جو ان کے عقائد و نظریات اور معمولات کے خلاف ہو اگرچہ صحیح لذاتہ ہو اس کو ترک کر دیں گے یا پھر ضعیف کھینچ تان کر ضعیف قرار دے دیں گے۔

وہابیہ کی طرف سے احادیث کو ضعیف قرار دے کر انہیں رد کرنا اور ترک کرنے کا فتنہ بڑی شد و مد سے جاری ہے ان کی تقریر ہو یا تحریر، سوشل میڈیا کا پلیٹ فارم ہو یا صحافت ہر جگہ احادیث نبویہ کو ضعیف قرار دے کر عوام کو عمل بالحدیث سے دور کر رہے ہیں۔ محدثین اپنی کتب میں ضعیف احادیث کو روایت کیا ہے تو اس پر عمل کے مخصوص طرق بھی بیان کیے ہیں امت کو بتایا ہے کہ ضعیف حدیث کو کہاں لیا جائے گا اور کہاں چھوڑا جائے گا جبکہ وہابیہ نے اسے امت کے سامنے یوں پیش کیا ہے جیسے ضعیف حدیث بھی موضوع ہی ہوتی ہے (معاذاللہ)

لہذا ہمارے کرنے کا کام یہ ہے کہ محدثین کے بیان کردہ قواعد کی روشنی میں ضعیف حدیث کی شریعت میں فنی حثیت کو عوام کے سامنے لایا جائے اور انہیں بتایا جائے کہ فضائل اعمال میں اس پر عمل معتبر ہے۔ نیز ہر وہ حدیث جس کو وہابیہ ضعیف قرار دیتے ہیں علم جرح و تعدیل کی روشنی میں اسے پرکھ کر اس کی فنی حثیت کو واضح کیا جائے تاکہ اس فتنہ کا سدباب ہو سکے۔

مدرسہ انوار القرآن قادریہ رضویہ

شاخ: جامع مسجد عثمانِ غنی ٹھٹھائی کمپاؤنڈ

سے اس سال فارغ التحصیل ہونے والے طلباء کے نام

شعبہ درسِ نظامی:

ابوالجواد اشفاق احمد بن عبدالکریم قادری — ابوحمزہ محمد فرحان بن محمد اقبال قادری

ابوالحسنین اسامہ بن عبدالحمید قادری — ابوالحسن احمد رضا بن عبدالرؤوف قادری

ابوالحامد انس بن عبدالقدوس قادری

شعبہ حفظ القرآن:

عبدالارحم بن محمد سلیم — محمد مصباح اللہ بن نصر من اللہ

شعبہ ناظرہ:

محمد ایان بن محمد عارف — محمد انس بن محمد امین

عبدالاحد بن عبدالرحمن — محمد انس بن محمد فیصل

عبدالرحمن بن محمد انور — محمد عبید بن محمد سلیمان

محمد اویس بن محمد امین — محمد اسد رضا بن محمد جاوید

عبدالارحم بن محمد خرّم — محمد مصطفی بن محمد شکیل

محمد سعد بن محمد عزیز — عبدالغنی بن محمد جمال